رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۴ اپریل ۱۹۰۷ء۔ اُجیب دعوۃ الداع۔ ترجمہ۔ میں دعا کرنیوالے کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء
(۱) فتح ہے تمہاری (۲) تمہارے نام کی (۳) انّ شانئک ھو الابتر (۴) حدّ ظباۃ (۵) انت منّی
بمنزلۃ موسیٰ (۶) احمد۔ غزنوی (نہ معلوم کیا اشارہ ہے) (۷) پھر قرآن مجلّد دیکھا اُس کی جلد پر شیرازہ کے قریب لکھا
ہوا تھا۔ سلامٌ قولاً من ربٍّ رحیم۔ ۱۷۔ اپریل ۱۹۰۷ء (۱) خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کا ہوگا
پس یہ پھوٹ کا ثمرہ ہے۔ (۲) انّی مع الافواج اٰتیک بغتۃً (۳) انّی مع اللہ الکریم۔ (۴) طوفان
آیا وہی طوفان۔ شر آئی۔ ۲۱۔ اپریل ۱۹۰۷ء۔ ساریکم اٰیاتی فلا تستعجلون۔ ترجمہ۔ قریب ہی میں تمہیں اپنے
نشان دکھلاؤنگا۔ پس تم جلدی نہ کرو (۲) یہ دو گھر ہی مر گئے۔ (اسمیں خاص دو گھروں کی طرف اشارہ ہے) ۲۳۔ اپریل ۱۹۰۷ء
(۱) اصلح بینی و بین اخوتی۔ (۲) سلامٌ قولاً من ربٍّ رحیم۔ یہ الہام کہ اصلح بینی و بین اخوتی۔ اسکے
یہ معنے ہیں کہ اے میرے خدا مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اصلاح کر۔ یہ الہام درحقیقت تتمہ اُن الہامات کا معلوم ہوتا ہے
جن میں خدا تعالیٰ نے اس مخالفت کا انجام بتلایا ہے اور وہ یہ الہام ہیں۔ خرّوا علی الاذقان سجدًا۔
ربّنا اغفر لنا انّا کنّا خاطئین۔ تاللہ لقد اٰثرک اللہ علینا و ان کنّا لخاطئین لا تثریب
علیکم الیوم یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الراحمین۔ یعنی بعض سخت مخالفوں کا انجام یہ ہوگا کہ وہ بعض نشان
دیکھ کر خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گرینگے کہ اے ہمارے خدا ہماری گناہ بخش ہم خطا پر تھے اور مجھے مخاطب کرکے کہیں گے
کہ بخدا خدا نے ہم پر تجھے فضیلت دی اور تجھے چُن لیا اور ہم غلطی پر تھے کہ تیری مخالفت کی۔ اسکا یہ جواب ہوگا کہ آج تم پر
کوئی سرزنش نہیں خدا تمہیں بخش دیگا وہ ارحم الراحمین ہے۔ یہ اُسوقت ہوگا کہ جب بڑے بڑے نشان ظاہر ہونگے آخر سعید
لوگوں کے دل کھلجائیں گے اور وہ دل میں کہیں گے کہ کیا کوئی سچا مسیح اس سے زیادہ نشان دکھلا سکتا ہے یا اس سے زیادہ
اسکی نصرت و تائید ہو سکتی تھی تب یکدفعہ غیب سے قبول کیلیے ان میں طاقت پیدا ہو جائیگی اور وہ حق کو قبول کرلیں گے۔
۲۰۔ اپریل ۱۹۰۷ء۔ رؤیا میں دیکھا کہ بشیر احمد کھڑا ہے وہ ہاتھ سے شمال مشرق کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے کہ زلزلہ اسطرف
چلا گیا"۔ ۳۰۔ اپریل ۱۹۰۷ء۔ سلامٌ علیک۔ یکم مئی و ۳۰۔ اپریل ۱۹۰۷ء (۱) پوری ہوگئی۔ فلیدع الزبانیۃ (دو بار)
ترجمہ۔ پس چاہیئے کہ اپنے حمائتیوں کو بلالے تا پورا زور لگالیں (۲) اے بسا خانۂ دشمن کہ تو ویران کردی۔ (۳)
وان شکرتم لازیدنّکم۔ ترجمہ۔ اگر تم شکر کرو تو میں زیادہ دونگا۔ یکم مئی ۱۹۰۷ء (۱) قریب عمر (۲) یأتیک
تحائف کثیرۃ۔ ۲ تا ۷ مئی ۱۹۰۷ء۔ و امّا نرینّک بعض الذی نعدھم او نتوفینّک۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ❁ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

Digitized by Khilafat Library

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۷ء نمبر (۵)

فہرست مضامین

حفاظت قرآن کریم - ۱۶۲ - ۱۷۸

عیسائی مشنوں کے بد اثر ۱۷۸ - ۱۸۸

مذہبی بے چینی ۱۸۹ - ۱۹۳

اپنی تمام جماعت کیلیے ضروری نصیحت ۱۹۴ - ۱۹۵

پادریصاحبان کی تہذیب ۱۹۵ - ۱۹۸

پنجاب میں طاعون ۱۹۸ - ۲۰۰

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام ٹائٹل پیج صفحہ ۲ - ۳

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - مئی سنہ ۱۹۰۷ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا - چندہ سالانہ عہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حفاظت قرآن کریم

۳- وہ دلایل جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سارا قرآن شریف آنحضرت صلعم کی زندگی میں ہی صحابہ رضی اللہ عنہم حفظ کر چکے تھے

گذشتہ پرچہ میں ہم یہ بات ثابت کر آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی حفاظت کے متعلق بہت احتیاط کو کام فرمایا کرتے تھے اور آپ کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو فوراً اُسی وقت اپنے کسی کاتب الوحی کو طلب فرماکر وہ آیت شریفہ اُس سے لکھوا لیتے۔ اسی طرح سارے قرآن شریف کی ایک ایک آیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک اور مقدس آنکھوں کے سامنے لکھی گئی...... علاوہ ازیں روایات معتبرہ متواترہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کبھی کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو اسی وقت مجلس میں سب حاضرین کو خواہ وہ دشمن ہوتے یا دوست ضرور سنا دیا کرتے تھے۔ اور آپ کی مقدس جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض تو وہ تھے جو بہ سبب اکثر آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کے تازہ وحی الٰہی کو اسی وقت آپکے دہن مبارک سے سُنکر حفظ کر لیتے۔ اور جو حاضر نہ ہوتے وہ دوسروں سے سُنکر حفظ کر لیتے یا لکھوا کر اپنے پاس رکھکر بتدریج حفظ کر لیتے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہو کہ قرآن کریم صرف چند اخلاقی باتوں اور نیک نصائح یا تمدنی اور فوجداری قوانین کا مجموعہ ہی نہ تھا جس کے مطالب کو یاد رکھنا کافی سمجھا جاتا بلکہ قرآن کریم کے ایک ایک حرف پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اور ان کے بعد آجتک اہل اسلام کا یہ ایمان رہا ہو کہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس پاک کتاب کا ایک ایک لفظ خدا کے مُنہ سے نکلا ہوا ہے۔ اور ان کے اس محبوب و مقصود کا کلام ہے جس کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت پالیا تھا۔ اور ہر حرف میں بیشمار برکات بھری ہیں۔ انکا ایمان تھا کہ اسکا ہر لفظ ایک بیش بہا آسمانی خزانہ ہے جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انکو عطا کیا ہے۔ اس لیے اسکو نہایت محفوظ ترین مقام یعنی قلب میں محفوظ رکھنے کیطرف اسقدر متوجہ رہتے۔ وہ الحمد للہ بندگان خدا تھے (خدا کی بے اندازہ برکتیں اور رحمتیں اُنپر ہمیشہ نازل ہوتی رہیں) کہ ہر نوع کی تنگی اور تکلیف کا مقابلہ

کیا۔ اپنے اہل واقارب سے جدا ہوئے۔ یار و مددگار سے مہجور ہوئے۔ گھر بار چھوٹے۔ جان و مال قربان کیے۔ غرض جو کچھ تھا سب کچھ اسی پر قربان کر دیا۔ پر اسکی حفاظت کے مقصد کو ادھورا نہ چھوڑا۔ ان کے کانوں میں جب کوئی نئی آیت پڑتی تو اس سے انکی جانوں میں ایک نئی روح نفخ ہوتی۔ اور نئی ہمت اور نیا استقلال شامل حال ہوتا۔ قرآنی آیات انکی پاک روحوں کی غذا تھیں۔ اور ہر نئی آیت ایک نئی لذت بخشتی تھی اس لیے وہ ہمیشہ اسی جد و جہد میں لگے رہتے کہ اپنی روحوں کو اس غذا سے سیر رکھیں۔ چنانچہ اسی لیے وہ ہر آیت کو بڑی احتیاط کے ساتھ یاد کر لیتے تھے۔ وہ آیات کے نزول کا اسطرح انتظار کرتے رہتے تھے جسطرح ایک سخت پیاسا آدمی پانی کا انتظار کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بکثرت اسی لیے رہتے تھے کہ جب کوئی تازہ آیت نازل ہو تو اسکو فوراً سن لیں اور حفظ کرنے میں سبقت کریں۔ انکی حالتوں کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ حضور رسالت مآب صلعم میں رہنے کے کسقدر مشتاق تھے۔ چنانچہ اکثر کا تو یہ حال تھا کہ کسی قدر کاروبار تجارت وغیرہ بطور حصول معاش کر کے باقی تمام وقت اس محبوب حقیقی فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد پروانہ وار گذارتے۔ پھر اس فرخ پے قوم کو اتنا وقت جدائی کا بھی مشکل گذرتا جو اپنے مشاغل ضروریہ کیوجہ سے غیر حاضر رہتی تھی انہیں سے اکثروں نے ایک دوسرے سے ملکر یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ باری باری ایک اپنا کام کر آوے اور دوسرا حضور میں حاضر رہے اور اگر کوئی آیت نازل ہو تو اسکو محفوظ کر کے اپنے غیر حاضر بھائی کو پہنچائے۔ اور پھر وہ اپنے کام پر چلا جائے اور دوسرا حضور میں موجود رہے۔ اس طریق سے گویا وہ تمام وقت ہی حاضر بحضور رہتے تھے اور جب کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو فوراً اسکو محفوظ کر لیتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے مضافات میں ایسے مقام میں رہتے تھے جہاں ایک انصاری انکے ہمسایہ تھے۔ جس کے ساتھ انہوں نے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ دونوں نوبت بہ نوبت آنحضرت سرور کائنات صلعم کے دربار میں حاضر رہیں۔ اور جو کچھ سنیں یا دیکھیں اس سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے رہیں۔ یعنی ایک روز ایک اپنے معاش کیلیے کام کرتا اور دوسرا دربار نبوت میں حاضر رہتا اور دوسرے روز وہ اپنے کام میں مشغول ہوتا اور اول الذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں رہتا تو اس دن کی وحی اور مکاشفات وغیرہ کی تمام خبریں اس دوسرے شخص کو لا سناتا اور جس دن وہ حاضر دربار رسالت رہتا تو وہ اخبار مجھے اُسناتا" (صحیح بخاری) اس کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بعض ایسے بزرگ بھی تھے جنہوں نے ہجرت کے بعد مخالفوں کے دکھ پہنچانے اور اذیت دینے کی وجہ سے تنگ اور مجبور ہو کر اپنے معاش کے کاروبار ہی چھوڑ دیئے تھے۔ ایسے بزرگ اپنا سارا وقت مسجد نبوی ہی میں گذارتے اور ہر وقت اس بات پر آمادہ رہتے کہ جب کوئی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو اسی وقت یاد کر لیں۔ انکا شغل تلاوت قرآن ہی تھا۔

یہ طرز حفاظت قرآن شریف کی اُس الٰہی وعدہ کے ماتحت عمل میں آ رہی تھی جو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا تھا

نری خوش اعتقادی سے ایسی احتیاط پیدا نہیں ہوسکتی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کے پڑھنے پڑھانے اور یاد کرنے پر بہت سخت تاکید فرماتے رہتے تھے جیسا کہ مسلم کی حدیث ذیل سے ثابت ہوتا ہے۔ عن عقبة بن عامر قال خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم ونحن فی الصفة فقال ایکم یحب ان یغدو کل یوم الی بطحان او العقیق فیاتی بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم قلنا یا رسول الله کلنا نحب ذلك قال افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم او یقرأ اٰیتین من کتاب الله خیر له من ناقتین وثلث خیر له من ثلث واربع خیر له من اربع ومن اعدادهن من الابل (رواه مسلم)

یعنی عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ہم اسوقت صفہ میں تھے۔ آپنے پوچھا کہ تم میں سے کون اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ ہر روز بطحان یا عقیق کو جائے۔ اور بڑی کوہان والی دو اونٹنیاں بغیر کسی کو گزند پہنچائے گناہ کیے اور قطع رحم کیے کے لائے۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم سب اس بات سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر آپنے فرمایا کیا تم میں سے کوئی صبح کو مسجد میں آکر کتاب اللہ (قرآن کریم) کی دو آیتیں پڑھاتا یا پڑھتا نہیں۔ جو اس کے لیے دو اونٹنیوں سے بڑھکر ہیں اور تین آیتیں تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ جتنی آیتیں پڑھے پڑھائیگا وہ اتنے ہی اونٹوں سے بہتر ہونگی۔ ایسا ہی بخاری میں یہ حدیث آئی ہے عن عثمان رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خیرکم من تعلم القراٰن وعلمه۔ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سب سے بہتر وہی ہے جو قرآن شریف کو سیکھتا اور سکھاتا ہو۔ ایسا ہی بخاری اور مسلم دونوں میں یہ حدیث صحیح موجود ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے۔ عن عایشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الماهر بالقراٰن مع السفرة الکرام البررة۔ والذی یقرأ القراٰن ویتتعتع فیه وهو علیه شاق له اجران۔ یعنی قرآن کے ماہر ان فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں جو بہت عزت والے اور بزرگ ہیں اور جو شخص قرآن شریف کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے۔ اور نہایت مشکل سے اسکے حروف کو ادا کرتا ہے تو اس کے لیے دوچند اجر ہے۔ ایک اور حدیث یہ ہے عن ابن عمر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاحسد الا علی اثنین رجل اٰتاه الله القراٰن فهو یقوم به اٰناء اللیل واٰناء النهار ورجل اٰتاه الله مالا فهو ینفق منه اٰناء اللیل واٰناء النهار۔ یعنی ابن عمر سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رشک صرف دو آدمیوں کے ساتھ کرنا جایز ہے ایک تو اس شخص کے ساتھ کہ جسے اللہ نے قرآن پڑھایا ہو اور وہ دن رات اس کی تلاوت میں مشغول ہے اور اسپر عمل کرتا ہے۔ دوسرے اس آدمی کے ساتھ جسے خدا نے مال دیا ہو اور وہ رات دن اسے خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔ پھر ابو موسی اشعری کی روایت سے ایک حدیث آئی ہے عن ابی

موسی الاشعری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المؤمن الذی یقرأ القرآن کالاترجۃ طعمہا طیب وریحہا طیب والمؤمن الذی لا یقرأ القرآن کالتمرۃ طعمہا طیب ولا ریح لہا۔ یعنی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اسکی مثال نارنجی کی طرح ہوتی ہے کہ اسکا ذایقہ بھی خوشگوار اور خوشبو بھی طیب ہوتی ہے اور جو مسلمان قرآن نہیں پڑھتا اسکی حالت کھجور سے مشابہ ہوتی ہے جسکا ذایقہ تو اچھا ہوتا ہے لیکن اس میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی + اب اس آخری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گروہوں میں تمیز کردی ہے یعنی ایک تو وہ گروہ علیحدہ بیان کیا ہے جو صرف قرآن شریف پر عمل ہی کرتا ہے اور اسکی تلاوت میں غفلت کرتا ہے ایسے گروہ کو بے خوشبو کہا ہے اور دوسرا وہ گروہ اس پہلے گروہ سے ممتاز کیا ہے جو عمل بھی کرتا ہے اور تلاوت بھی کرتا رہتا ہے اس گروہ کو خوشبودار ثمر سے مشابہت دی ہے اور اسکی ترجیح بیان فرمائی ہے۔ اس سے اور نیز دوسری حدیثوں سے نہایت صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم صرف قرآن شریف پر عمل کرنیکی تاکید ہی نہ فرماتے تھے بلکہ تلاوت قرآن شریف کی بھی اسی قدر تاکید فرماتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی تعلیم میں حفظ قرآن کو جس احتیاط اور التزام کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے اس سے قرآن پر عمل کرنیکے پہلو کو کہیں جدا نہیں کیا گیا۔ اصل علت غائی حفاظت اور تلاوت کی یہی ہے کہ اسکو عملی زندگی میں ہمیشہ زندہ رکھا جاوے۔ اور جذب برکات ونفعات اور کشف واخذ انوار ربانی اور تزکیہ نفس اور حصول معرفت وقرب الٰہی کیلیے بار بار پڑھکر اسپر تدبر اور تفکر کیا جائے۔

ہم نے اسجگہ مشتے نمونہ از خرواری کی مصداق پر عمل کیا ہے۔ ورنہ جس قدر تاکیدی احکام قرآن شریف کی تلاوت اور اسکے متعلق احادیث میں پائے جاتے ہیں اور جتنی اہمیت اس امر کو دیگئی ہے ان صحیح اور مستند روایات کا کتب احادیث میں اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ انکا یہاں نقل کرنا باعث طوالت ناظرین کی ملالت کا باعث ہوگا۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں استذکار اور تعاہد قرآن پر ایک علیحدہ باب باندھا ہے۔ اس باب میں بہت سی احادیث اس مضمون کی ہیں کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت قرآن پر مداومت کی تاکید فرمائی ہے ایسا ہی ایک اور باب بعنوان "تعلیم الصبیان القرآن" قایم کیا ہے جس میں قرآن کریم کے اولاد کو تعلیم دینے کے احکام ہیں۔ اور ایک تیسرا باب بعنوان "خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ" قایم کیا ہے یعنی بہترین انسان وہ ہے جو قرآن شریف پڑھتا اور پڑھاتا ہے۔ اور ایک چوتھا باب "القراءۃ عن ظہر القلب" یعنی قرآن شریف کو زبانی یاد کرنے کے احکام اور مراتب کے متعلق باندھا ہے + یہ مسلّم امر ہے کہ مسلمانوں میں تنقید وتحقیق وصحت روایات کے لحاظ سے بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا گیا ہے اور اس کتاب میں ہم اسقدر احادیث پاتے ہیں کہ ان سب کا نقل کرنا مشکل ہے اس لیے بنظر اختصار اسجگہ صرف ابواب کے نام لکھدینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ان تمام احادیث کا

مفصلاً ذکر نہیں کرتے۔ ابواب کے نام ہی اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حفظ کرنے کی ہر مومن کو تاکید اکید فرماتے رہتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسکو یاد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور بہت بڑی ثواب اور اجور کا ذریعہ جانتے تھے۔ انہی احکام کی تعمیل میں پہلے زمانوں کے مسلمان اگر سارا نہیں تو بعض بعض حصص قرآن شریف کے ضرور یاد کر لیا کرتے تھے۔ اگرچہ اس زمانہ میں بھی ہر ایک اسلامی ملک میں ہزارہا حافظ قرآن شریف کے اور قاری موجود ہیں جو سارا قرآن شریف کمال صحت کے ساتھ حافظہ میں یاد رکھتے ہیں۔ جن کی مثال دنیا کی کسی غیر اسلامی قوم میں موجود نہیں۔ لیکن عرب کے خاص حالات ایسے تھے کہ ان کے لیے قرآن شریف کو ازبر کرنا بہت ہی آسان تھا۔ چنانچہ ولیم میور جیسا معاند اور مخالف اسلام بھی اپنی کتاب لائف آف محمدؐ کے دیباچہ کے صفحہ ۱۶ پر اسی خصوصیت کو تسلیم کرتا ہوا لکھتا ہے "عرب لوگ نظم کے بہت سرگرم اور جانداده مشتاق تھے لیکن ان کے پاس ایسے اسباب موجود نہ تھے کہ جن سے وہ اپنے شاعروں کے کلام کو ضبط تحریر میں لا سکتے۔ اس لیے بہت مدت تک ان میں یہی رواج رہا کہ اپنے شعرا کے کلام اور اپنی قوم اور آبا و اجداد کے تاریخی واقعات کو دل کی زندہ الواح پر ہی بہت عمدگی اور صحت کے ساتھ طبع کر لیتے۔ اس طرز سے ان میں قوت حافظہ کمال درجہ ترقی پر پہنچ گئی ہوئی تھی۔ اور یہی قوت حافظہ اس نئی پیدا شدہ روح کے ساتھ پورے اخلاص اور شوق سے قرآن کریم کے حفظ کرنے میں کام آئی"۔ ہم نے چند احادیث جو اوپر لکھی ہیں ان سے یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ آنحضرت صلعم یہ بھی چاہتے تھے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم علم قرآن میں ایکدوسرے پر فوقیت اور سبقت حاصل کرنیکی کوشش کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی چند ایسے اسباب موجود تھے کہ جن کی وجہ سے قرآن شریف کے حفظ کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنیکے لیے صحابہؓ کوشش کرتے رہتے تھے۔ ازانجملہ ایک یہ بات بھی کہ نماز دل میں امامت کرانے کے لیے وہ شخص ہی معزز عہدہ امامت کے لیے منتخب کیا جاتا تھا جو دوسروں سے علم قرآن میں بڑھا ہوا ہو۔ چنانچہ اس عزت کو حاصل کرنیکے لیے ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر قرآن شریف کو یاد کرنے میں محنت کرتا تمام صحیح احادیث اسی بات کو ثابت کرتی ہیں۔ شاید ہمارے بعض غیر مسلم ناظرین آجکل کے بعض ملاؤں کی حالت دیکھکر حقیقت اور عظمت امامت سے واقف نہ ہوں گے۔ کیونکہ آجکل اکثر جگہوں میں اس منصب کی بہت غلط استعمالی ہو رہی ہے۔ اور اسکا اطلاق بھی نہایت نامعقول طور سے ہوتا دیکھنے میں آرہا ہے۔ اس لیے ہم اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس امامت سے مراد وہ امامت نہیں جو آجکل کے بعض مسجدی مُلّاں لوگ کما رہے ہیں جس میں مردہ شوی اور روٹیاں وصول کرنا پیشہ کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ یہ امامت دراصل مسلمانوں میں ایک نہایت عزت کا مقام اور اعلیٰ مرتبہ تھا۔ خود حضور صلعم بھی امام تھے۔ اور شریعت اسلامی میں اصل امامت کے معزز اور مقتدر عہدہ پر ماموریت کا قرعہ اسی شخص کے حق میں بلا لحاظ قومیت و وجاہت و عمر پڑتا

جو علم قرآن میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہوتا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے عن عمرو بن سلمة قال کنا بحاضرٍ یمرّ بنا الناس اذا اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانوا اذا رجعوا مرّوا بنا فاخبرونا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کذا وکذا وکنت غلاما حافظا فحفظت من ذٰلک قرانا کثیرا فانطلق ابی وافدا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نفر من قومہ فعلمھم الصلوة وقال یومکم اقرؤکم فکنت اقرؤھم لما کنت احفظ فقدمونی فکنت اؤمھم یعنی عمرو بن سلمہ سے روایت ہے کہ ہم (یعنی ہماری قوم) ایکدفعہ کسی مقام پر ڈیرہ افگن ہوئی جو پانی کے قریب تھا۔ اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جاتے تھے وہ اسی راہ سے جاتے تھے جو ہمارے پاس سے گذرتا تھا جب وہ واپس آتے تو ہمیں تمام الہامات جو حضور صلعم سے تازہ سُنکر آتے سنا جاتے تھے۔ مَیں ابھی بچہ ہی سا تھا (قریب آٹھ سال کے عمر تھی) پر میری قوت حافظہ بہت تیز تھی۔ جو جو مَیں سُنتا جاتا تھا مَیں حفظ کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ اکثر حصہ قرآن شریف کا اسی طرح ان مہمانوں سے ہی مَیں نے حفظ یاد کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد میرا باپ اپنی قوم کے بہت سارے عمائد کو ساتھ لے کر اسلام قبول کرنیکے لیے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں آنحضرت صلعم نے انہیں داخل اسلام فرمایا اور ان کو نماز کی تلقین فرمائی۔ اور حکم دیا کہ تم میں نماز میں امامت وہ شخص کرایا کرے جو سب سے زیادہ قرآن جانتا ہو۔ چونکہ مَیں نے قرآن کا بہت حصہ پہلے ہی حفظ کیا ہوا تھا اس لیے امامت کا حق میرا ہی تھا پس مجھے ہی سب نے امام منتخب کیا۔ اور مَیں ہی نمازوں میں انکا امام ہوتا رہا"۔ یہ حدیث ابوداؤد میں درج ہے اور بخاری اور دوسرے محدثین نے بھی اسکو لکھا ہے۔ ایسا ہی جب کبھی کوئی نئی قوم اسلام میں داخل ہوتی تو ان میں امامت کے فرائض ادا کرنے اور مسائل اسلام کی تلقین و تعلیم دینے کے لیے وہی شخص بھیجنے کے لیے منتخب کیا جاتا تھا جو علم قرآن میں فائق اور سابق ہوتا تھا۔ اس سے یہی نہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن شریف جاننے والوں کی صرف اسیقدر عزت کیجاتی تھی۔ بلکہ یہ تو انکی اکرام و اعزاز کا صرف ایک ہی شعبہ بیان ہوا ہے۔ اُن لوگوں کی ہر پہلو سے عزت اور توقیر و تعظیم کیجاتی تھی۔ اور ہر موقعہ پر انہیں معزز اور مکرم سمجھا جاتا تھا۔ منجملہ اور وجوہ کے یہ بھی ایک وجہ تھی کہ جس سے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے قرآن شریف کو اپنے مقدس دلوں کی الواح پر نہایت احتیاط کے ساتھ منقوش کیا ہوا تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلوت و جلوت میں قرآن شریف کی اکثر تلاوت فرماتے رہتے اور اپنا نمونہ پیش کرتے رہتے تھے۔ ناظرین یہ خیال نہ کریں کہ آنحضور صلعم صرف نمازوں ہی میں لمبی لمبی سورتیں پڑھنے پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ بلکہ ہمارے سامنے ایسے کئی واقعات موجود ہیں کہ سفر کو جاتے ہوئے اونٹ پر سواری کیحالت میں آپ کئی سورتیں پڑھ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں یہ روایت ہے۔ رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکة وھو یقرا علی راحلته سورة الفتح یعنی

مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے روز دیکھا کہ جب اپنے اونٹ پر سوار ہی تھے تو آپ نے سورۃ الفتح پڑھی۔" آنحضرت صلعم کو دوسروں سے قرآن سُننے سے بھی بڑی محبت تھی۔ اور یہ محبت آپ میں ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر بھی صحابہؓ کا قرآن کریم پڑھنا سُنا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری باب نسیان القرآن میں اس قسم کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو جب ایک شخص نماز میں قرآن پڑھ رہا تھا تو آپ سُن رہے تھے۔ اسی طرح بخاری میں یہ روایت بھی درج ہے عن عبد اللہ قال قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأ علیّ قلت یا رسول اللہ آقرأ علیك و علیك انزل قال نعم فقرأت سورۃ النساء حتی اتیت علی ھذہ الاٰیۃ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بك علی ھؤلاء شھیدا۔ قال حسبك الاٰن فالتفت الیہ فاذا عیناہ تذرفان۔ یعنی عبد اللہ سے روایت ہے کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ کچھ قرآن سُناؤ۔ مَیں نے جواب میں عرض کیا کہ حضورؐ! کیا مَیں آپ کو سناؤں اور آپ پر تو نازل ہوا ہے؟ اسپر آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ (اور دوسری روایت میں ہے کہ مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ دوسرے کو پڑھتا سنوں) یہ بات سُنکر مَیں نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی یہانتک کہ جب مَیں اس آیت پر پُہنچا۔ فکیف اذا جئنا الاٰیہ۔ تو آپ نے فرمایا اسوقت بس کرو جب مَیں نے آپکی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو چل رہے تھے۔" یہ چند واقعات جو محض بطور نمونہ درج کیے گئے ہیں بتلا رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا نمونہ دکھا کر صحابہؓ کو قرآن پڑھنے کی رغبت دلایا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں مسلمانوں کا آجکل کے نام کے مسلمانوں جیسا حال نہ تھا۔ وہ تو اپنی زندگیوں کی علت غائی یہی سمجھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں اور آپ کے نمونوں پر عمل کرتے رہیں۔ اسی میں انکی خوشی ہوتی تھی اس لیے آپکی ایسی ترغیبات کبھی بے اثر نہیں جاتی تھیں۔ وہ پاک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین قرآن شریف کے ایک ایک لفظ کو بڑی امانت اور احتیاط کے ساتھ اپنے دلوں کے خزانوں میں جمع کر لیتے اور اسکی تلاوت اور تعلیم و تعلم پر مداومت فرض اولیٰ سمجھتے تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت اور تعلیم و تعلم کا رواج ایسا عالمگیر طور پر مسلمانوں میں ہوگیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشگوئی فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ علم قرآن جہان سے اُٹھ جائیگا تو صحابہؓ کو اس بات سے بہت تعجب پیدا ہوا۔ اور زیاد ابن لبید صحابی اسی تعجب و حیرت میں فوراً بے ساختہ بول اُٹھا کہ یا رسول اللہ علم قرآن دنیا سے کیسے مفقود ہو سکتا ہے جبکہ ہم سب خود اسے پڑھتے رہتے ہیں اور اپنی اولاد کو اسکی تعلیم دیتے ہیں اور ہماری اولاد اپنی آیندہ نسلوں کو قیامت کے دن تک قرآن سکھلاتی اور پڑھاتی رہیگی۔" قرآن شریف کی حفاظت کے انتظام کی سمجھ تو صحابیوں کے ایسے کلام سے بخوبی آسکتی ہے۔ اس سے اسبات کا پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم قرآن شریف کی حفاظت کے زبردست انتظام میں ایسی

سرگرمی اور کوشش کرتے تھے کہ انکے خیال میں یہ بات سما سکتی ہی نہ تھی کہ اس حالت کے بعد قرآن پر کوئی زمانہ ایسا آسکتا ہے کہ وہ دنیا سے اُٹھ جائیگا۔ اُن لوگوں میں قرآن شریف کی محبت ایسی بھری ہوئی تھی کہ مارے محبت کے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو بھی اُسوقت نہ سمجھا اور جھٹ عرض خدمت کرنا شروع کر دیا۔ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ نہ تھا کہ دنیا سے قرآن کریم کے الفاظ مفقود ہو جائیں گے۔ بلکہ آپکے ان الفاظ سے مراد یہ تھی کہ ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے کہ جس میں لوگ قرآن شریف پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ اس حدیث کو ترمذی اور بعض دیگر محدثین نے بیان کیا ہے اور ہم نے اسکو گذشتہ رسالہ میں نقل بھی کر دیا ہے۔ اس سے یہ بات اچھی طرح عیاں ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ایک ایک آیت صحابہؓ میں ایسی عام طور پر شایع ہو چکی اور سب کو یاد تھی کہ یہ بات اونکے دماغوں میں آہی نہ سکتی تھی کہ کسی وقت کل تو کیا اسکا کوئی حصہ بلکہ کوئی جملہ لفظ حرف یا نقطہ ہی گم ہو سکے گا۔ اور یہ بات بھی انکی سچی تھی اور علاوہ ازیں انکو قرآن اور آنحضرت صلعم نے سکھلایا بھی یہی تھا کہ یہ کبھی گم نہیں ہوگا اور ہمیشہ محفوظ رہیگا۔ پھر وہ اس بات کو کیونکر مان سکتے تھے کہ کوئی زمانہ اس کے گم ہونیکا بھی آسکتا ہے۔ پھر جب اونہیں اصل مطلب حضور سرور کائنات کے کلام کا سمجھ آگیا تو پھر خاموش ہو گئے اور انکی تسلی ہو گئی۔ کہ آپکے کلام سے قرآن شریف کی حفاظت کے اعتقاد میں کوئی نقصان نہیں بلکہ لوگوں کا اسپر عمل میں کمزور ہو جانا مراد ہے۔

یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن شریف کو حفظ کرنا اور اسکی تلاوت میں لگے رہنا اپنی زندگی کی بڑی بھاری خوشی سمجھتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کریم کی تلاوت پر مواظبت کے حکمونکی نہایت جوش اور باقاعدگی سے تعمیل کرتے تھے۔ تلاوت میں کثرت کا انہیں اتنا شوق تھا کہ بعض صحابی ہر رات قرآن شریف ختم کر لیا کرتے تھے اور یہ حالت دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں ایسا طریق اختیار کرنے کی ہدایت دینی پڑی کہ جو انپر بار گراں نہ ہو۔ چنانچہ بخاری میں ایک باب اس مضمون پر ہے کہ کتنے دنوں میں قرآن ختم کرنا چاہیئے۔ اس باب میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے کہ ایک صحابی کی نسبت آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا کہ وہ ہر رات قرآن شریف کا ختم کرتا ہے۔ اسپر آپنے اُسے بلا کر ہدایت کی کہ قرآن پڑھنے میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیئے آہستگی سے تلاوت کرنی چاہیئے۔ ایک رات میں نہیں بلکہ سات دنوں میں یا پانچ دنوں میں یا کم ازکم تین دنوں میں ختم کرنا چاہیئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہؓ میں ایسے بزرگ بھی موجود تھے جنہیں قرآن شریف کے حفظ پر اتنی دسترس تھی کہ وہ ایک رات میں ہی سارا ختم کر لیا کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم دینے سے کہ کم ازکم تین دنوں میں قرآن ختم کرنا چاہیئے یہ منشاء تھی کہ قرآن کو طوطے کی طرح بلا مطلب سمجھے نہیں پڑھتے رہنا چاہیئے بلکہ اسکو غور وخوض اور تدبر و تفکر سے پڑھنا چاہیئے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ عبد اللہ ابن عمرو نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! مَیں کتنے عرصہ میں قرآن شریف کو ختم کیا کروں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیس۳۰ دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں تو بہت جلدی ختم کر سکتا ہوں۔ پھر آپ نے اس کے کہنے پر اس مدت کو تخفیف کر کے ۲۵ روز کر دیا۔ پھر اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے تھوڑے عرصہ میں ختم کر سکتا ہوں۔ پھر آپ نے کچھ کمی کر دی۔ یہانتک کہ ہوتے ہوتے صرف پانچ دنوں کی میعاد کر دی گئی۔ اور اس کو منع کیا گیا کہ ایک رات میں قرآن شریف کو ختم نہ کیا کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلعم نے کم از کم میعاد تین روز مقرر کی تھی۔ چنانچہ اس جگہ وہ اصل حدیث جو مسند دارمی میں لکھی ہے درج کیجاتی ہے اور وہ یہ ہے عن عبد اللہ بن عمروؓ قال یا رسول اللہ فی کم اختم القرآن قال اختمہ فی شھر قلت انی اطیق قال اختمہ فی خمسۃ و عشرین قلت انی اطیق قال اختمہ فی عشرین قلت انی اطیق قال اختمہ فی خمس عشرۃ قلت انی اطیق قال اختمہ فی خمس قلت انی اطیق قال لا۔ یعنی عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ اس نے حضور صلعم سے عرض کیا یا رسول اللہ! مَیں کتنے عرصہ میں قرآن ختم کیا کروں فرمایا ایک ماہ میں اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے جلدی ختم کر سکتا ہوں تو فرمایا پچیس۲۵ دنوں میں ختم کیا کرو اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے بھی جلدی ختم کر سکتا ہوں فرمایا بیس۲۰ دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں تو اس سے بھی جلدی ختم کر سکتا ہوں فرمایا پندرہ دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے بھی .... جلدی ختم کر سکتا ہوں فرمایا دس دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے بھی جلدی ختم کر سکتا ہوں فرمایا پانچ دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے بھی جلدی ختم کر سکتا ہوں تو پھر آپ نے فرمایا بس۔ یعنی اب اس سے کم میعاد نہیں ہو سکتی۔ ایسا ہی فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۵۳ پر یہ حدیث منقول ہے۔ عن ابن مسعود اقرؤ القرآن فی سبع ولا تقرؤہ فی اقل من ثلث یعنی قرآن کریم کو سات دنوں میں پڑھا (ختم کیا) کرو۔ اور تین دنوں سے کم مدت میں ہرگز ختم نہ کرو۔ ایسا ہی اسی کتاب میں ایک اور حدیث منقول ہے جو یہ ہے عن عایشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یختم القرآن فی اقل من ثلث یعنی حضرت عایشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عموماً قرآن شریف کو تین دنوں سے کم عرصہ میں ختم نہیں کیا کرتے تھے۔

اب ان روایات و احادیث معتبرہ سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ اصحاب رسول کریم صلعم کو قرآن کریم کے پڑھنے کے ساتھ اتنا شوق بڑھا ہوا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے رہتے تھے کہ کون جلدی ختم کرتا ہے۔ یعنی کس کو زیادہ صفائی اور صحت کے ساتھ حفظ پر ضبط اور قدرت حاصل ہے۔ اور بعض نے تو ایسا کمال حاصل کیا ہوا تھا کہ صرف ایک ہی رات کے اندر سارا قرآن شریف الحمد سے لیکر الناس تک ختم کر لیتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم کو پڑھنے کی میعاد مقرر کرنی پڑی۔ اور صحابہ رضؓ کو اس کے متعلق بار بار پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ اور یہ قرآن شریف کے پڑھنے میں ایسی تیز روانی ہی تھی کہ جس کی وجہ سے آنحضور سرور کائنات صلعم کو ایسی زودی کو روکنے اور میعاد اقل

مقرر کرنیکی ضرورت پیش آئی۔ اس سلسلہ دلایل سے یہ بات بدیہی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ صحابہؓ کو قرآن شریف عموماً حفظ ہوتا تھا۔ کیونکہ ایسی جلدی پڑھنا حفظ ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔ دیکھکر پڑھنے سے محال ہے۔ اور جب ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ رات ہی رات میں وہ لوگ قرآن شریف ختم کرتے تھے تو اس سے اور بھی اس بات پر وضاحت سے ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ انکو حفظ یاد تھا۔ ورنہ اگر قرآن شریف انکو یاد نہ ہوتا تو رات ہی رات میں اسکا پڑھ لینا کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔

اس کے علاوہ یہ بات اسطرح بھی ثابت ہوتی ہے کہ اکثر معتبر اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی کثیر جماعت کو قرآن کریم حفظ تھا۔ چنانچہ قرّا کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ قرّا کے معنے وہ نہیں جو آجکل لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ کوئی شخص کسی طرز خوش الحانی سے یا بعض قرأتی فنون کے اصول پر قرآن شریف پڑھ سکے اور اسکو ایک سورۃ بھی یاد نہ ہو اسکو قاری کا خطاب دیا جاتا ہے۔ بلکہ قرّا کا اصل مفہوم یہ ہے کہ "قرآن شریف اوروں کو سکھلانے کے لیے حفظ کرنیوالے لوگ" چنانچہ صاحب فتح الباری نے لفظ قرّا کے یہی معنے کیے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ قرّا کے معنے یہ ہیں۔ الذین اشتہروا بحفظ القرآن والتصدی لتعلیمہ۔ "وہ لوگ جو قرآن شریف کو حفظ کرنے اور دوسروں کو قرآن شریف سکھلانے کیلیے مشہور تھے" اس میں شک نہیں کہ اس لفظ کے ذیل میں آنیوالوں کیلیے ضروری ہے کہ انہیں کامل طور پر علم قرآن بھی ہو۔ ہمیں افسوس ہے کہ مسلمانوں میں بعض معزز الفاظ کی اس کثرت سے غلط استعمالی کیجاتی ہے کہ گویا اس لفظ کے اصل مفہوم کی توہین تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مثلاً یہی لفظ قاری یا قاضی یا علما وغیرہ کوئی موروثی عہدے نہیں بلکہ انہیں ایک حقیقی کمال کی حاجت پڑی ہوئی ہے۔ اور انکے مصداق بننے کے لیے وہ ذاتی جوہر ضروری ہیں جو اصل حقیقت مفہوم لفظ ہیں۔ مگر آجکل تو یہ حال ہے کہ کسی کا بزرگ کسی گذشتہ زمانہ میں ایسا صاحب کمال گذرا ہو جو ان خطابات کا مستحق ہو اور پھر اونکے بعد نسلوں کی نسلیں اور پشتوں کی پشتیں ترقی معکوس کی قعر میں ایسی گرتی چلی آئی ہوں کہ ان اعلیٰ جوہروں کا کوئی شمہ بھی ان میں باقی موجود نہ ہو مگر پھر بھی بجبر وہ قاری وغیرہ کہلاتے رہتے ہیں درحقیقت الفاظ کی ایسی بد استعمالی کا اثر ان بزرگان دین کی شان پر جا کر پڑتا ہے جو صحیح طور پر ان کے مصداق تھے۔ اور ہیں۔ کیونکہ جب کسی کا کوئی واقف ایسا ہو کہ جس کی نسبت اسکو علم ہے کہ وہ علم قرآن تو درکنار معمولی نوشت و خواند سے بھی بے بہرہ ہے اور اسکو عام مسلمان لوگ قاری یا قاضی یا علما وغیرہ کہتے ہیں تو جب کسی بزرگ پر یہ لفظ استعمال کیا جائیگا جو حقیقی مصداق ان الفاظ کا تھا تو عوام الناس اس کی شان بھی ویسی ہی ذلیل سمجھیں گے جیسے کہ وہ اپنے سامنے والے دوست کی سمجھتے ہیں۔ ہمیں اتنی بات لکھنے کی اس لیے ضرورت پڑی ہے کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ جن قرا کا یہاں اس رسالہ میں ذکر ہو رہا ہے وہ معمولی انسان نہ تھے بلکہ وہ ایسے صاحب کمالات ظاہری و باطنی بزرگ تھے کہ جنھوں نے اپنی زندگیوں کو قرآن شریف کے سیکھنے اور سکھانے کیلیے وقف کر دیا ہوا تھا اور اپنی جانوں کو اسپر نثار اور قربان کر رکھا تھا۔ وہ پاک ارواح بزرگ علم قرآن کے فضل سے آراستہ تھے احادیث سے ثابت ہے کہ ستر قرا کو کفار نے

آنحضرت صلعم کے زمانہ میں بئرمعونہ کے قریب قتل کر دیا تھا۔ یہ کوئی سُنی سُنائی بات نہیں بلکہ نہایت معتبر شہادت سے ثابت ہے جو بخاری اور دیگر کتب احادیث میں درج ہے۔ اب جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ صرف ایک ہی مقام پر کفار نے اتنی بڑی تعداد حافظان قرآن شریف کو نہایت بیرحمی اور ظلم کے ساتھ تہ تیغ کیا تو یہ نتیجہ قطعی اور یقینی ہے کہ اس مقدس جماعت صحابہؓ میں کثرت سے قرا موجود تھے۔ "باب القراء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی ذیل میں حضرت امام بخاریؒ نے بہت سی احادیث بیان فرمائی ہیں۔ از انجملہ ایک یہ ہے۔ ذکر عبد اللہ بن عمرو عبد اللہ بن مسعود فقال لا ازال احبه سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول خذوا القرآن من اربعة من عبد اللہ بن مسعود وسالم ومعاذ وابی بن کعب۔ یعنی عبد اللہ ابن عمرو نے عبد اللہ بن مسعود کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں ہمیشہ اس سے محبت کرتا رہونگا کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے سُنا ہے کہ چار آدمیوں عبد اللہ بن مسعود و سالم و معاذ و ابی بن کعب سے قرآن سیکھو۔ اس حدیث سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن کا علم اور قرآن کی تعلیم دینا انہیں چار بزرگوں میں محدود تھا اور دوسرے صحابہؓ میں یہ قابلیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ اور نہ ہی اس حدیث کے الفاظ میں یہ بات موجود ہے کہ گویا کہ ان چاروں کے سوائے کوئی دوسرا صحابی قرآن کو یاد نہ رکھتا تھا۔ اور اسکو پڑھا نہ سکتا تھا۔ یہ بات ثابت ہے کہ تمام صحابہؓ قرآن شریف کا کچھ نہ کچھ حصہ جانتے تھے اور یہ امر بھی عیاں ہے کہ انمیں کثیر التعداد ایسے لوگ تھے جو قرآن شریف کے حافظ تھے۔ یعنی جن کو قرآن شریف از بر یاد تھا۔ لیکن قرآن شریف کا معلم بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس شخص میں فہم قرآن بھی اعلیٰ درجہ کا ہو اور علم قرآن بھی بہت بڑھکر ہو۔ اس حدیث میں ان لوگوں کی معلمیت کی حیثیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور انکی اس قابلیت کا اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ لوگ اچھی طرح قرآن سکھانیکی قابلیت رکھتے تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ قرآن شریف کی تمام سورتوں کو اچھی طرح سکھا سکتے تھے اس لیے خود پورے قرآن شریف کے حافظ تھے۔ اور ایک یہ وجہ بھی ہے کہ صحابہؓ کی جماعت بہت کثیر تھی اسلیے ہر ایک آدمی کو یہ موقعہ میسر نہیں آسکتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے آیات قرآنی سُن سکتا۔ اکثروں نے اگر کچھ حصہ آنحضرت صلعم سے سنا بھی ہوگا تو کثیر حصہ بالواسطہ سیکھا پس شاید ان چار کا نام اسواسطے لیا کہ انہوں نے اکثر حصہ قرآن شریف کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے بلا واسطہ سُنا اور سیکھا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک عبد اللہ بن مسعود اس سے اگلی حدیث میں کہتے ہیں کہ میں نے ستّر سے زیادہ سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ حاصل کیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس زمانہ کی یہ حدیث ہو اُس زمانہ میں قرآن شریف پڑھانیکی قابلیت انہیں زیادہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث درمیانی زمانۂ نبوت کی ہے۔ اور اس کے بعد قرآن شریف کی اشاعت بڑھتی گئی اور ہزاروں طبائع اہل قابلیت پیدا ہوتی گئیں۔ غرض اسی قسم کی کوئی خصوصیتیں ہونگی جنکی وجہ سے آنحضرت صلعم نے ان چاروں کا نام اس حدیث میں لیا ہے۔ ورنہ احادیث صحیحہ معتبرہ سے ثابت ہے

کہ صحابہؓ میں بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جن کو نہ صرف قرآن شریف ازبریاد ہی تھا بلکہ انکو فہم قرآن بھی اعلیٰ درجہ کا عطا کیا گیا تھا۔ ان لوگوں میں سے بطور مثال ہم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہی کا نام نامی پیش کرتے ہیں۔ حضرت صدیق رضؓ صاحبِ کمالات ظاہری و باطنی یار غار رسول کریم صلعم تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی قرآن دانی اور قرآن فہمی کا سب سے فایق ہونا کئی موقعوں پر بیان فرمایا۔ مثلاً آپکے آخری ایام کے ہی چند واقعات لے لو۔ آخری ایام کے واقعات ہم اس لیے لیتے ہیں کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ شاید بعد میں دوسرے صحابہؓ نے فوقیت حاصل کرلی ہو۔ ان واقعات میں سے ایک واقعہ تو یہ ہے کہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی تو ذکر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ جب بعض لوگوں نے تعجب کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر تم سے بہتر قرآن سمجھتا ہے کیونکہ اس سورۃ میں یہ اشارہ تھا کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے کوچ کر جانیکا وقت قریب آگیا ہے۔ اور اسی لیے حضرت ابوبکرؓ رو بھی پڑے تھے۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد میں جسقدر دریچے ہیں وہ سب بند کردیئے جائیں سوائے حضرت ابوبکر کے دریچہ کے۔ اس میں بھی یہ اشارہ تھا کہ جو دسترس آپ کو علم قرآن میں حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں۔ تیسرا واقعہ یہ ہے کہ آخری بیماری کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو امام مقرر فرمایا۔ اب یہ بات صحیح اور معتبر احادیث سے ثابت ہے کہ نمازوں کے لیے امام وہی شخص منتخب ہونا چاہیئے جو سب سے بڑھکر علم قرآن میں فوقیت رکھتا ہو۔ جبکہ امامت کیلیے قرآن شریف کے علم میں برتری ایک شرط اولیٰ آپنے ہمیں بتلائی تو جس شخص کو آپنے امامت کیلیے منتخب کیا ضرور ہے کہ اس کو علم قرآن میں تمام جماعت صحابہؓ پر ہر طرح کی فوقیت آپکے نزدیک مسلم ہو۔ یہاں تو ابوبکر رضؓ کو سب صحابہ رضؓ میں سے بڑھکر قرآن جاننے والا مانا گیا۔ لیکن وہاں اُس حدیث میں جہاں چاروں کا ذکر کیا گیا ہے انکا گرامی اسم نہ بیان کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جن ناموں کا ذکر ہے وہ حصر کے طور پر نہیں بلکہ کسی خصوصیت کی وجہ سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جہاں بہت سارے ایسے شخص موجود ہوں جنکا علم قرآن مساوی سمجھا جاتا ہو تو وہاں اس انتخاب کیلیے اس شخص کے دوسرے حالات دیکھنے پڑتے ہیں۔ مثلاً اگر بہت سے لوگ علم قرآن میں مساوی ہوں جیسے مثلاً چند آدمی قرآن شریف حفظ یاد رکھتے ہوں تو وہاں اور معیاروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ اب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی نسبت بھی ثابت ہے کہ انکو قرآن شریف ازبر یاد تھا اور اسی طرح قرآن کو یاد رکھنے والے بہت سے اور صحابی وہاں موجود تھے۔ اس لیے محض اس مشترکہ لیاقت کی بدولت قرعہ امامت بنام حضرت ابوبکر رضؓ پڑنا محال تھا۔ ضرور ہے کہ انمیں یہ جوہر بھی موجود ہو کہ قرآن شریف انکو ازبر تھا اور یہ قابلیت بھی دوسروں سے بڑھکر تھی کہ قرآن شریف کا فہم انہیں سب سے بڑھکر تھا۔ اس بات میں کسی قسم کے شک کو کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ قرآن شریف کے حافظ بھی تھے

چنانچہ انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بھی بنا رکھی تھی جس میں وہ ہر روز بلا ناغہ بیٹھکر قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ بلکہ کفار نے انکو ایک دفعہ اس سے روکا بھی تھا اور یہ کہا تھا کہ اسطرح قرآن سُنا سُنا کر تم ہماری عورتوں اور بچوں کو مسلمان کر لوگے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضور سرور کائنات صلعم کے حضور میں ہر وقت کی حاضر باشی کا شرف انکو سب سے بڑھکر نصیب ہوا۔ ان امور سے صاف طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رض قرآن شریف کے حافظ بھی تھے۔ اور فہم و علم قرآن میں تمام صحابہؓ سے بڑھے ہوئے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکو منصب امامت اور جادہ خلافت پر ممتاز نہ فرماتے پھر اسی طرح عبد اللہ بن عمروؓ نے ایک یہ حدیث بیان کی ہے جو نسائی میں موجود ہے اور جس کے راوی معتبر اور صحیح مانے گئے ہیں اور وہ یہ ہے عن عبد اللہ بن عمرو قال جمعت القرآن فقرأت فی کل لیلۃ فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرأہ فی شھر۔ یعنی عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے سارا قرآن اپنے حافظہ میں جمع کر لیا یعنی ازبر کر لیا اور میری عادت تھی کہ ہر رات ایک ختم قرآن کر چھوڑا کرتا تھا۔ اس امر کی اطلاع حضرت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گئی تو آپ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ ایسا مت کیا کرو بلکہ قرآن شریف کو ایک مہینے میں ختم کیا کرو۔" غرض اسی طرح صحابہ کبار رض کی جماعت میں بہت سے صحابیؓ ایسے ثابت ہوتے ہیں جنکو قرآن شریف ازبر تھا۔ اور چاروں خلیفے یعنی حضرت ابو بکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی اور طلحہ۔ سعد۔ ابن مسعود۔ سالم۔ رضی اللہ عنہم کے نام حافظان قرآن میں صحیح روایات میں موجود ہیں۔ مرد تو خیر قرآن شریف کے حافظ اور عالم تھے ہی صحابہؓ میں عورتیں بھی اسکے حفظ کرنیکی عزت سے محروم نہ رہیں۔ بلکہ ان میں بھی قرآن شریف کے علم حاصل کرنیکا شوق اور حفظ کا رواج تھا۔ چنانچہ حضرت عایشہ رض حضرت حفصہ رض اور حضرت ام سلمہ رض وغیرہ کے گرامی اسمار تاریخ صحیحہ کی اس فہرست کو زینت دے رہے ہیں۔ مہاجرین کے علاوہ انصار رض میں بھی قرآن شریف کے لیے ایسی ہی محبت اور شوق تھا۔ لیکن اسجگہ فہرست دینے سے طول ہوتا ہے۔ یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں بے سمجھی سے کام لینے والے متعصب لوگ یہی نہ سمجھ لیں کہ قرآن کریم کے حافظ صرف اتنے لوگ ہی تھے جن کے نام لکھے گئے ہیں۔ ایسا گمان واقعات سے بہت بعید ہوگا۔ کیونکہ ابھی ہم دکھلا آئے ہیں کہ صرف ایک ہی موقعہ پر کفار نے ستر قرا کو قتل کر دیا تھا۔ جس سے کثرت قرا کا ثبوت کافی طور پر ملتا ہے۔ اسکے علاوہ غزوہ یمامہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھوڑے دن بعد واقعہ ہوا قریباً اسی قدر قرا شہید ہوئے۔ جن میں مذکورین کے زمرہ سے صرف حضرت سالمؓ تھے۔ جب جنگ یمامہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ جنگ یمامہ میں ہمارے اکثر قرا کام آگئے اس لیے اب ضروری ہے کہ قرآن شریف ایک ہی جلد میں جمع کر دیا جائے۔ اس موقعہ پر انہوں نے صرف سالمؓ کا نام۔۔ نہ لیا تھا بلکہ کہا تھا کہ قال ابو بکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن۔ یعنی حضرت ابو بکر رض نے فرمایا کہ حضرت عمر رض میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ غزوہ یمامہ میں قرآن شریف کے قرا بہت سے قتل ہو گئے ہیں۔ اگر یہ شدہ رہی لوگ حافظ اور قاری قرآن ہوتے

جن کے نام لکھے گئے ہیں تو حضرت عمرؓ کو چاہیئے تھا کہ صرف سالمؓ ہی کا نام لیتے کیونکہ نامزدہ لوگوں سے تو صرف ایک سالمؓ ہی وہاں کام آئے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے الفاظ سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہاں کثرت سے قرا شہید ہوگئے۔ جس سے یہ بات بیّن طور پر ثابت ہوتی ہے کہ قرا و حفاظ قرآن بکثرت تھے۔

بخاری میں یہ ایک حدیث منقول ہے عن انس قال مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یجمع القرآن غیر اربعۃ ابو درداء و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابو زید۔ یعنی انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور سوائے چار اشخاص ابو درداء و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابو زید کے کسی نے قرآن جمع نہ کیا۔ اور ایک روایت میں جو بخاری ہی میں ہے بجائے ابو درداء کے ابی بن کعب کا نام ہے جمع کے عام معنے تو احادیث میں کتاب کی صورت میں جمع کرنیکے آئے ہیں پس اگر یہی معنے اس حدیث میں مراد لیے جائیں تو اس سے قرآن شریف کے حافظوں کی تعداد کا حصر نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی تعارض ان احادیث صحیحہ سے واقع ہوتا ہے جو اوپر نقل کیگئی ہیں۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر چار آدمی قرآن شریف کو ایک جا جمع کر چکے تھے اور کتاب کی صورت میں کلام ان کے پاس موجود تھا تو حضرت عمرؓ نے اتنا خوف کیوں ظاہر کیا اور حضرت زیدؓ نے اس کام کو اتنا مشکل کیوں سمجھا سو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابوبکرؓ اور زیدؓ کا منشا ان اصل مسودات کو جمع کرنا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ کے کاتبوں نے لکھے تھے۔ اس لیے انکا مطلب اس سے حل نہ ہوتا تھا کہ کسی کا اپنے طور پر جمع کیا ہوا قرآن شریف انکو ملجائے۔ اور یہی معنے اس حدیث کے کرنے پڑیں گے جس میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور قرآن کسی چیز میں جمع نہ تھا۔ یعنی مطلب اسکا یہ ہوگا کہ وہ مسودات جو آنحضرتؐ کی ہدایت کے مطابق لکھے گئے تھے وہ ایک جگہ جمع نہ کیے گئے تھے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ اس سے صحیح اور معتبر احادیث میں کسی قسم کا تعارض باقی نہیں رہتا۔ اور اگر لفظ جمع کے دوسرے معنے مراد لیے جاویں یعنی کل قرآن شریف کا حفظ کرنا تو اس صورت میں حدیث کے معنے سمجھنے کے لیے پہلے واقعات کو دیکھنا چاہیئے۔ اور یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ حضرت انسؓ نے اس روایت کو کس حال اور کس موقعہ اور کس غرض سے بیان کیا تھا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ یثرب میں (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مدینہ منورہ ہوگیا) دو قومیں خزرج اور اوس رہتی تھیں۔ ان قوموں میں عرب جاہلیت کے زمانہ کیطرح باہمی سخت عداوت اور بغض تھا۔ پھر جب یہ دونوں قومیں مسلمان ہوگئیں تو ان میں سے دشمنی دور ہوگئی اور سب ایک دوسرے کے بھائی ہوگئے۔ لیکن ترقیات دینی میں رشک ضرور رہا۔ حضرت انسؓ قوم خزرج میں سے تھے۔ ایک موقعہ پر قوم اوس کے بعض افراد نے اپنے چار آدمیوں کی نسبت بڑے فخر سے ذکر کیا۔ اور ان کی شہرت اور عظمت پر بڑا ناز ظاہر کیا۔ اس فخریہ بات کا جواب دوسری رقیب قوم کیطرف سے بھی ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے اپنی قوم کے چار آدمیوں کے نام لیکر انکی ایک بہت بڑی خدمت

اسلام کی اور بڑا نمایاں کام بیان کیا۔ یعنی قوم خزرج میں سے یہ چار ایسے بزرگ ہوئے ہیں کہ جنہوں نے قرآن شریف کو جمع کیا۔ جس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اُن کو قرآن شریف ازبر تھا اور یا یہ کہ انہوں نے متفرق مسودوں سے خود قرآن شریف کو نقل کر لیا ہوا تھا غرض بہرحال حضرت انسؓ کا یہ بیان تو صرف ایک رقیب قوم کے مقابل میں بطور جواب تھا۔ جب اس بات پر غور کیجاتی ہے کہ یہ چاروں بزرگ جن کا نام حضرت انسؓ نے اپنی روایت میں لیا ہے انکی ہی قوم میں سے تھے تو اس بات کے ثبوت پر زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو عبداللہ بن مسعودؓ اور سالمؓ اور کئی دوسرے مشہور انصار و مہاجرین کے ناموں کو چھوڑ کر انہی چاروں پر حصر کر لینا کہاں درست ہو سکتا تھا۔ وہ تو ایسے بزرگ تھے کہ جنکی قرآن دانی آفتاب عالمتاب کی طرح مسلم اور روشن ہے۔ اور حضرت انسؓ ایسے ناواقف نہ تھے کہ اگر کلیہ طور پر روایت کرتے تو مشاہیر قرآن دانوں اور جامعان قرآن کے اسماء کو ناواقفیت کی وجہ سے چھوڑ دیتے پس ظاہر ہے کہ یہ کلمات انکے اپنی قوم کی عظمت قوم اوس کے مقابلہ پر ظاہر کرنیکے لیے تھے۔

یہانتک تو ہم نے حضرت انسؓ کی روایت کی اصل حقیقت سے اپنے ناظرین کو آگاہ کر دیا ہے۔ لیکن اگر بفرض محال یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ان احادیث میں باہمی اختلاف اور تناقض ہے تو بھی جس امر کو ثابت کرنیکے لیے ہم نے یہ صفحات لکھے ہیں اسکا ثبوت دینے کے لیے سب باہم متفق ہو جاتی ہیں۔ ہم نے اس دوسرے حصہ مضمون میں یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی مقدس جماعت میں بعض لوگ موجود تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ سے کُل قرآن شریف سیکھا اور اسکو یاد کیا ہوا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی صحابی اپنے دلوں کی الواح پر قرآن شریف منقوش اور محفوظ رکھتے تھے۔ انکی تعداد کی تعیین نہ ہمارے مضمون کے ساتھ کچھ تعلق رکھتی ہے اور نہ ہم نے اسکا ذمہ ہی اُٹھایا تھا۔ اگر کم سے کم چار ہی صحابی ایسے ثابت ہوں جنکو قرآن شریف پورے طور پر حفظ تھا تو اس حال میں بھی ہم اپنے دعوے میں عہدہ برآ ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت انس کی روایت کسی دوسرے امر میں دوسری احادیث سے کچھ اختلاف بھی رکھتی ہے تو وہ اس بات کو تو ضرور ثابت کرتی ہے کہ کم از کم (بقول اونکے) چار صحابی تو ایسے تھے کہ جن کو قرآن ازبر تھا اور جنہوں نے قرآن جمع کیا ہوا تھا لیکن ہم نے حضرت انس کی روایت کی غرض کو بیان کر کے ناظرین پر واضح کر دیا ہے کہ انکی روایت سے کُل حافظان قرآ کی تعداد کا حصر نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک قبیلہ کے حافظوں کی تعداد اس میں دی گئی ہے۔ برخلاف اسکے صحیح اور معتبر سند ول سے جماعت کثیرہ ایسی ثابت ہوتی ہے جنہوں نے اپنے الواح قلوب میں قرآن شریف محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس جماعت کے علاوہ بھی عام صحابہ کو قرآن شریف یاد تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے سوا جنکو سارا قرآن یاد تھا باقی تمام صحابہؓ کو اکثر حصص قرآن شریف کے یاد تھے۔ کسی کو کوئی حصہ اور کسی کو کوئی حصہ۔ اسطرح بھی قرآن شریف تمام صحابہ میں محفوظ تھا۔ تمام صحابہؓ علیٰ قدر استطاعت قرآن شریف کو کلاً یا جزءً یاد کرتے رہتے تھے اور قدرتی طور پر اس کے یاد کئیں

قرآن شریف کے تدریجی نزول نے اسکے لیے بہت آسانی کردی ...... تھی۔ ایک آیت یا سورۃ کے نزول کے بعد دوسری آیت یا سورۃ کے نزول تک اتنا وقفہ انکو مل جاتا تھا کہ بآسانی وہ پہلی آیت یا سورۃ کو یاد کرلیں۔ یہ ظاہر بات ہے کہ سارا قرآن شریف تیئیس سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ نازل ہوا تھا۔ اور اگر آجکل کے زمانہ میں مسلمانوں کے کم سن بچے ایک یا دو برسوں میں قرآن شریف کو بآسانی حفظ کرسکتے ہیں تو وہ عرب (صحابہ رض) جنکی عجیب وغریب قوت حافظہ تمام دنیا میں مسلم تھی اور جو قرآن شریف کو یاد کرنا بڑا ضروری اور اہم فرض سمجھتے تھے انہیں اپنی بڑھی ہوئی عمروں میں بہت تھوڑے عرصہ میں قرآن یاد کرلینا کچھ مشکل نہ تھا اور پھر جبکہ انکو تیئیس سال کی لمبی مہلت اسکے یاد کرنے کے لیے دیگئی تو اس بات کے سمجھنے میں کچھ بھی مشکل نہیں رہتی کہ قرآن شریف کا یاد کرلینا ان لوگوں کے لیے نہایت آسان تھا اور اسی لیے اس کثرت سے حافظ ان کے اندر موجود تھے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ قرآن شریف کا یاد کرنا بعض اغراض کے لیے ہر مسلمان کے لیے لازمی تھا خواہ اسکا تھوڑا حصہ یاد کرے۔ یا بہت یا سارا ہی کرے۔ کیونکہ ہر مسلمان پر نماز ایک ضروری فرض ہے اور نماز میں قرآن شریف ضروری طور پر پڑھا جاتا تھا۔ بغیر قرآن شریف کے بعض حصص پڑھنے کے نماز ہوتی ہی نہیں گویا نماز پڑھنے کا حکم من وجہ قرآن کے کل یا جزو کے حفظ کرنے کا حکم ہے۔ جو ہر مسلمان پر مسلمان رہنے کے لیے فرض ہے۔ اور نماز صرف ایک دفعہ ہی نہیں بلکہ دن میں کم از کم پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے اور ہر دفعہ کی نماز میں کئی کئی رکعتیں ہوتی ہیں اور ہر رکعت میں علاوہ معینہ سورۃ قرآن یعنی فاتحہ کے کوئی نہ کوئی حصہ قرآن شریف کا ضرور پڑھنا پڑتا ہے۔ صحابہ رض کی نسبت ثابت ہے کہ وہ عموماً نمازیں دل کے سچے لگاؤ سے پڑھا کرتے تھے اور خشوع وخضوع سے اپنے اس فرض کو ادا کیا کرتے تھے۔ اور نماز کو اپنا ہتھیار اور خدا سے قرب کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ انکی نسبت یہ ثابت ہے کہ وہ نمازوں میں دیر تک قیام کیا کرتے اور زیادہ لمبے عرصہ تک قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ ان پانچوں نمازوں کے علاوہ ایک اور نماز ہے جو رات کے آخری حصہ میں پڑھی جاتی ہے اور جسکو نماز تہجد کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو اس خاص نماز کے ساتھ بہت وابستگی اور شوق تھا اور جتنے آجکل کے لوگ غافل ہیں اسی قدر زور کے ساتھ وہ لوگ اس نماز پر مداومت کرنیوالے تھے۔ اس نماز تہجد میں خصوصیت کے ساتھ وہ لوگ بڑے بڑے حصص قرآن شریف کے پڑھا کرتے تھے۔ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز تہجد میں بہت قرآن شریف پڑھا کرتے یہانتک کہ آپ کی نسبت بعض احادیث میں آیا ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی رکعت میں قرآن شریف کے آٹھ نو پارے یعنی ۱/۴ حصہ قرآن شریف کے قریب پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور صحابہ رض کی طرز زندگی یہی تھی کہ وہ آنحضرت صلعم کے عمل وفعل کو اپنے مسلک کے لیے نمونہ سمجھتے تھے۔ اور آپ ہی کے نمونہ پر چلتے تھے۔ اور اس لیے وہ بھی تہجد میں قرآن شریف زیادہ

زیادہ پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض صحابہؓ کے تہجد میں قرآن شریف پڑھنے کا جو اتفاقاً ذکر آگیا ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ ایک صحابی کی نسبت لکھا ہے کہ انہوں نے ایک رکعت میں سورۃ البقرہ کو پڑھا۔ اور یہ سورۃ قرآن شریف کا بارھواں حصہ یعنی اڑھائی پارے ہیں۔ تہجد کی نماز کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ حکم تھا ہی کہ قم الیل الا قلیلا نصفہ الآیۃ۔ یعنی نصف رات یا اس کے قریب قیام کیا کرو اور اسی حکم الٰہی کی تعمیل میں آپ اسقدر کھڑے ہوا کرتے تھے کہ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاؤں بھی سوج جاتے تھے۔ مگر صحابہؓ کو بھی یہ حکم تھا۔ کہ فاقرؤا ما تیسر منہ اور سارے معذوریت کے اسباب گن کر کہ خدا یہ بھی جانتا ہے کہ بعض تم میں سے بیمار ہوں گے اور بعض جہاد کریں گے اور بعض سفر میں ہوں گے پھر بھی حکم دیا کہ قرآن شریف تہجد میں پڑھا ضرور کرو تاں بیمار مسافر مجاہد کے لیے اجازت ہے کہ بہت نہیں تو تھوڑا ہی پڑھ لے۔ قرآن شریف میں اس تاکید کو پاکر صحابہؓ کہاں غافل رہ سکتے تھے۔ کثرت سے روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا بڑا حصہ قرآن شریف کا رات کو تہجد میں پڑھا کرتے تھے بلکہ بعض تو اس قدر مبالغہ اس میں کرتے تھے کہ آنحضرتؐ کو یہ ہدایت دینی پڑی کہ اتنے وقت میں کم سے قرآن شریف ختم نہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نمونہ صرف تہجد ہی کی نمازوں تک محدود نہ تھا بلکہ آپ جماعت کی نمازوں میں بھی بہت قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے جماعت کراتے وقت پہلے سورۃ النساء پڑھی اور پھر اس کے بعد سورۃ آل عمران پڑھی۔ یہ دونوں سورتیں قرآن شریف کا آٹھواں حصہ ہوتی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جبکہ صرف ایک ہی نماز میں قرآن شریف کا اتنا بڑا حصہ پڑھا گیا تو کسقدر تکرار کا قرآن شریف کے پڑھے جانے میں ثبوت ملتا ہے۔ بہت ساری حدیثیں اس بات کی گواہ ہیں کہ اکثر صبح کی نماز کی ایک رکعت میں سورۃ البقرہ جیسی لمبی سورتیں پڑھی جاتی تھیں۔ شام کی نمازوں کے لیے اتنا وقت نہیں مل سکتا کہ لمبی سورتیں انہیں پڑھی جاسکیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الطور جیسی سورتیں انہیں بھی پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی لمبی سورۃ ہے جس میں پچاس کے قریب آیات ہیں۔ اسی طرح جب کبھی صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی کہیں نماز میں امامت کا موقعہ ملتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر وہ بھی عمل کرتے اور انکی طرح نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ انکی لمبی سورتیں پڑھنے کی شکایتیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ ایکدفعہ ایک صحابی نے عشاء کی نماز میں سورۃ البقرہ تمام کی۔ مقتدیوں میں ایک شخص تھے جو دن کی محنت سے تھکے ماندے تھے اور وہ جلد آرام کرنیکے واسطے جانا چاہتے تھے انکو اس لمبی قرأت سے تکلیف ہوئی اور اسپر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی۔ ایسا ہی یہ بھی ثابت ہے کہ وہ لوگ اپنی تنہائی کی نمازوں میں بھی لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے بلکہ ان نمازوں میں تو جی کھول کھول کر وہ لوگ قرأت لمبی پڑھتے تھے۔ اب اس سے یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ وہ لوگ صرف قرآن شریف کو ایک دفعہ یاد ہی نہ کر لیا کرتے تھے بلکہ جتنا قرآن انکو یاد ہوتا تھا اسپر نمازوں میں اور نمازوں سے باہر اس کثرت سے تکرار کی مواظبت اور مداومت کرتے رہتے تھے کہ وہ ہمیشہ حافظہ میں تازہ رہتا تھا۔ اگر قرآن شریف کی ایک آیت بھی لکھی نہ جاتی تو حافظوں کے الواح میں اس کے نقش ایسی

کثرت اور عمق کے ساتھ کندہ تھے کہ ایک نقطہ بھی اس کا ضایع نہونے پاتا۔ قرآن شریف نمازوں میں اور نمازوں سے باہر پڑھنے کی اسقدر کثرت سے آنحضرت صلعم اور صحابہؓ کی عادت تھی کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض سورتیں صحابہؓ نے نمازوں میں بار بار پڑھی جاتی سُنکر ہی یاد کر لی تھیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ اگر تمام دوسرے ذرایعہ حفاظت قرآن شریف کے معدوم بھی کر دیئے جاتے تو صرف نمازوں ہی میں اس کے پڑھے جانیکا رواج اس بات کے لیے کافی تھا کہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہ ہونے پائے اور یہ پورے طور پر ہر قسم کی آلایش اور حملہ سے محفوظ رہے۔ پس یہ تمام واقعات جب ہم متفق ہوتے ہیں تو قرآن شریف کے محفوظ رہنے پر ایسے برجستہ دلایل پیدا ہو جاتے ہیں کہ جن کی مثال دنیا میں کہیں پائی نہیں جاتی۔ کونسی الہامی کتاب دنیا میں ایسی ہے جس کی حفاظت کے لیے ایسے اسباب قویہ پیدا ہوئے ہوں تمام دنیا کی الہامی کتابوں میں نہ کسی کا ایسا دعویٰ ہے اور نہ ہی کسی کے پاس حفاظت کے ایسے ثبوت ہیں۔

عیسائی مشنوں کے بد اثر

ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء میں بمقام روم انٹرنیشنل فری تھاٹ کانگرس کا ایک جلسہ منعقد ہوا منجملہ اور کارروائیوں کے اس جلسہ میں مسٹر ڈبلیو ہی فورڈ نے عیسائی مشنوں پر اپنی رپورٹ پیش کی۔ یہ رپورٹ اصل میں فرانسیسی زبان میں مرتب کی گئی تھی۔ لیکن ایسے صحیح حالات کو منکشف کرنیوالی تھی۔ اور اسے ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اکثر یورپین زبانوں میں ترجمہ ہو کر مختلف عیسائی ملکوں میں دست بدست شایع ہو گئی اسی طرح انگریزی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو کر بعض معزز رسالوں اور اخباروں میں شایع ہوا ہے چنانچہ لٹریری گائڈ کے نومبر۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۵ء اور جنوری سنہ ۱۹۰۶ء کے مسلسل پرچوں میں یہ رپورٹ چھاپی گئی ہے۔ اب مسٹر ہی فورڈ نے ایک کاپی اس رپورٹ کی ہمارے پاس اس غرض سے بھیجی ہے کہ یہ ساری یا اسکا کچھ حصہ ملک ہند میں شایع کیا جائے اس رپورٹ کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ میں تو عیسائی مشنوں کے ضرر کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے حصہ میں ایسی دنیاوی مجالس کے انعقاد کا مذکور ہے جو مشنوں کے ان گندے اثروں کے روکنے کے لیے تجویز کی گئی ہیں۔

ہماری غرض اس رپورٹ کے شایع کرنیسے یہ ہے کہ ہم ایسے مسلّم واقعات کی بنا پر عیسائی مذہب کے کفارہ کے مسئلہ کے اخلاقی اور روحانی بد اثروں کو پبلک کے سامنے پیش کریں۔ جن کو خود عیسائی تسلیم کرتے ہیں۔ اور جن کے ہاتھ سے وہ خود نالاں ہو رہے ہیں۔ عیسائی مشنری اس بات پر بڑے نازاں ہیں کہ عیسائی اقوام کی اخلاقی حالت دنیا کی تمام اقوام سے بڑھکر ہے اور یہی فخر وہ اپنے مذہب کی فوقیت ثابت کرنیکے لیے مجالس میں اور ایسے لوگوں کے

سامنے پیش کیا کرتے ہیں جو انکی ظاہری صورتیں دیکھ کر انکی مختلف قسم کی جائز و ناجائز ترغیبات کے پھندے میں پھنسنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں اور جن کی زندگی کی سب سے بڑی غرض چند دنیاوی فواید کے حصول کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ لیکن جب کوئی شخص تعصب سے آزاد ہو کر ان کے اس قسم کے دعووں کو تحقیق کی نظر سے دیکھتا ہے تو اس کو فوراً ہی انکی بیہودگی اور نامعقولیت پر یقین ہو جاتا ہے۔ ہم اس بات کے کہنے میں صرف اکیلے ہی نہیں۔ بلکہ خود وہ لوگ جو نسلاً بعد نسلٍ عیسائی چلے آئے ہیں انہی نتایج پر پہنچے ہیں۔ اور یہی وجہ آخر انکے عیسائی مذہب سے علیحدگی اختیار کرنے کی ہوئی ہے۔ چنانچہ چند نتایج جو اس رپورٹ میں پیش کیے گئے ہیں حسب ذیل ہیں۔ اوّل۔ یہ کہ یورپین تاثیرات سے جو بدیاں دیسی لوگوں میں سرایت کر گئی ہیں۔ انسے کلیسیا کی اپنے لوگوں کی اخلاقی حالت میں اصلاح پیدا کرنیکی کوششوں پر ناکامی کی ایسی مُہر لگ گئی ہے کہ جس سے بادی النظر میں یہ بات یقین کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ دوسری قوموں کی اصلاح کے کام کے کسی طرح لایق نہیں۔ دوم۔ یہ کہ باوجود یورپ کے مہذب ممالک میں عیسائی مذہب کے تنزل اور تدریجاً پگھلتے جانیکے جاہل اقوام میں اس دین کی ترقی نسل انسانی کی باقاعدہ معمولی ترقی کے لیے ایک خطرناک دھمکی ہے۔ اور تمام جہان کی تہذیب اور صلاحیت اور امن کو ہمیشہ کے خطرہ میں رکھنے کا ایک موجب ہے۔ اسی رپورٹ کے مصنف صاحب نے ایک اور ریمارک عیسائی تہذیب کے متعلق بھی لکھا ہے جسکا ناظرین کے ملاحظہ کی غرض سے ذیل میں اقتباس کیا جاتا ہے ”آجتک یورپین تہذیب کے تعارف سے دوسرے ممالک کے لوگوں نے یہی سمجھا ہوا ہے کہ یہ انجیل۔ شراب کی بوتل رائفل بارود اور مختلف لباسوں میں طرح طرح کی برائیاں۔ کامل غلامی اور آخر کار ہلاکت کے ہم معنی ہے“

اب ہم اصل رپورٹ کی طرف آتے ہیں اس رپورٹ کا عنوان ہے ”عیسائی مشنیں اور ان کے خطرات“

ذیل میں اس کا ترجمہ درج ہے (۱) کلیسیائی روح یعنی مشن کی تاثیرات نے دنیا میں شایع ہو کر ایسے مفاسد پھیلائے ہیں کہ اب اس امر کی دو چند ضرورت ہے کہ اس کے کرتبوں کو قطعی طور پر روکنے اور انکو نیست و نابود کرنیکے کام کو ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں مغربی یورپ کے دلوں کا نور تہذیب اور شائستگی کے اس بلند معراج پر پہنچ گیا ہے کہ اب تمام قسم کی کلیسیاؤں کی مذہبی پابندیوں کی تنگنائی کی حدود اسے روک نہیں سکتیں۔ اور سب قسم کے پروہتوں کے چنگل سے خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی پوپ کے پیرو ہوں یا پراٹسٹنٹ۔ دُور نکل گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ عیسائی پادری جس وہم پرستی اور سوشل فتنہ و آشوب کی عیسائی زمانہ میں اُن سرزمینوں کے اندر جو عیسائی سرزمینیں مشہور ہیں تخم ریزی کر کے قوم کیلیے دونوں اندرونی اور بیرونی طور پر نہایت مذموم نتایج کے پیدا کرنیکا موجب ہوئے ہیں اور جس سرزمین نے پُرظلم صدیوں کی تاریکی اور تباہی کے زمانہ دراز میں انکی طاقت کے عروج کی ابتدا اور انتہا اور تنزل کو دیکھا اور مشاہدہ کیا ہے وہاں بھی اسی وجہ سے اتنے تجربہ کے بعد اب ان پادریوں کی قطعی طور پر کچھ عزت و وقعت نہیں رہی۔ تہذیب کی حقیقی حمایت اور امن عامہ اور ترقی دُنیا کے اسباب کی سچی محافظت کی خاطر یہ امر کچھ کم ضروری نہیں کہ ان

پادریوں کو اسی وہم پرستی اور سوشل فتنہ و آشوب کے غیر عیسائی سرزمین میں لیجانے اور پھیلانے سے باز رکھا جاوے۔ اس امر میں کوشش کرنا ہم پر فرض ہو گیا ہے کیونکہ حماقت اور نامرادی کی مُہر عیسائی مشنوں کی تمام کارروائیوں پر لگ چکی ہے

ریورنڈ جے جانسٹن "دے سنچری آف مشنز" صفحہ ۱۷ پر اپنی ناکامیوں کے بارے میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں اور غیر عیسائیوں کی جتنی تعداد گذشتہ صدی میں تھی وہ اس سے اب بیس کروڑ زیادہ ہے۔ اور اسی عرصہ میں جن لوگوں نے دین عیسوی قبول کیا اگر انکو بال بچوں سمیت گنا جاوے تو انکا شمار زیادہ سے زیادہ تیس لاکھ ہوگا۔ اسپر وہ لکھتا ہے کہ ہمیں اس پُر حسرت واقعہ پر رونا آتا ہے کہ غیر عیسائیوں کی تعداد شمار اس مشنوں کے عروج کی صدی میں بھی پچھتر گنا زیادہ بڑھی۔

Digitized by Khilafat Library

(۲) اب سوال یہ ہے کہ یہ لوگ بھی جو عیسائی مذہب میں داخل ہوئے ہیں وہ نسل انسانی میں کس طبقہ کے لوگ ہیں؟

اسی ریورنڈ جانسٹن نے اس سوال کا بھی جواب دیا ہے اور لکھا ہے کہ "عیسائی لوگوں کے غور کے لیے یہ بہت اچھی بات ہے کہ سوائے معدودے چند کے یہ سارے نومرید عیسائی جاہل اور وحشی اقوام میں سے ہیں۔ جنکا اعلیٰ طبقہ کے لوگوں پر کچھ بھی اثر نہیں۔ انمیں پانچویں حصہ کے قریب اون قوموں کے لوگ ہیں جو نئی تہذیب کی ترقی کے سامنے جس کے لوازمات میں سے بدکاری اور بیماری ہیں صفحۂ دنیا سے نابود ہو رہی ہیں۔ کیونکہ جہاں عیسائی تہذیب گئی ہے وہاں بدکاری اور بیماری بھی ضرور ساتھ گئی ہیں۔ وہی مصنف مجبور ہو کر ایسی شہادت بھی دیتا ہے جس سے پادریوں کے ان حملوں کی حماقت کا جو وہ غیر مذاہب پر کرتے ہیں پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔ یہ شہادت ان رنگروٹوں کے اندرونی حالات اور چال چلن کے متعلق ہے جو بہت سی متفرق اقوام میں سے اکٹھے کیے گئے ہیں اور جنگ آور کلیسیا کے اسقدر متفرق جھنڈوں کے نیچے جمع ہوئے ہیں جنپر صرف فرقہ پراٹسٹنٹ ہی کا خرچ ساڑھے چوبیس لاکھ پونڈ یعنی تین کروڑ ستاسٹھ لاکھ پچاس ہزار روپے ہوتا ہے۔ اور ۶۲۲۰ مشنری بطور ایجنٹ اس خدمت پر مامور ہیں۔ جن کی تعداد کی نسبت ہر ایک لاکھ ستاسٹھ ہزار غیر عیسائیوں کے لیے ایک ایجنٹ ہوتی ہے۔ ان رنگروٹوں کی اس متفرق فوج کی اندرونی وقعت اور اخلاقی حالت کا بیان کرنیکے ضمن میں جانسٹن صاحب نے بیدلی سے جو شہادت دی ہے وہ ہمارے لیے ان مشنری حملہ گریوں کی بیہودگی اور حماقت کو کچھ کم زور کے ساتھ واضح نہیں کرتی۔ "دے سنچری آف مشنز" کے صفحہ ۱۷ پر پادری جانسٹن لکھتے ہیں کہ "وقت آگیا ہے کہ خدا کے کلیسیا کو اس امر واقعہ سے گریز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسپر غور کرنا چاہیے کہ کسی ایسے مذہب کی ترقی کو ہماری نئی مشنیں روک نہیں سکتیں جنکے قبضہ میں مقدس کتب ہیں۔ ہندو دھرم۔ بدھ مت اور اسلام صرف اپنے اپنے حال میں قایم ہی نہیں بلکہ ہر سال لاکھوں لوگ ان میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ ان سلسلوں میں سے اگر کہیں کوئی ایک عیسائی ہو جاتا ہے تو اسکی بجائے انمیں ادنیٰ قوموں میں سے ہزاروں لوگ داخل ہو جاتے ہیں"۔ یہ ہیں فال افسوسناک نتایج ان ایک سو مشنری سوسائیٹیوں کی کل کارروائیوں کے جو برطانیہ اعظم۔ امریکہ اور یورپین براعظم کی دوسری

حصص کی طرف سے قایم ہیں۔ اور جن کی طرف سے ۶۲۳۰ تنخواہ دار ملازم کام کرتے ہیں۔ اور جن کے ساتھ ۲۷۰۰۰ دیسی انجیل کی منادی کرنے کے لیے اجیر مقرر ہیں۔ اور ان دیسی جماعتوں کے لیے ۲۵۰۰ پاسٹر یعنی نگران مقرر ہیں۔ اور یہ سب ملکر دو سو سے زیادہ زبانوں میں بائبل کے احمقانہ ترجمے پھیلاتے اور حماقت اور بیوقوفی سے بھرے رسالے جہان میں شایع کرتے پھرتے ہیں۔ اگر پڑھنے والوں کو اتنے میں تسلی نہ ہو اور ان کارروائیوں کی قہر سے بھری ہوئی تباہی اور مایوسی خیز جہالت کی مزید وضاحت کی ضرورت سمجھیں تو پادری وی برون ایم ڈی سکرٹری سکاٹس مشن سوسائٹی کا صاف اقبال جو ذیل میں لکھا جاتا ہے کافی سے بھی زیادہ ہوگا۔ اس کے الفاظ ایسے قیمتی ہیں کہ ایک ایک لفظ اُن ایمانداروں کی پیشانیوں پر آب زر سے منقوش ہونا چاہیے جن کی مالی امداد اور سرپرستی کی سہارے پر یہ مشنری ناؤ غیر عیسائی سمندروں پر تیر رہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "اگر وہی اسباب اور وہی محنت اور مجاہدہ اور وہی دولت جو گذشتہ پچاس سالوں کے درمیان غیر عیسائی لوگوں میں مشنیں بھیجنے پر بے دریغ خرچ کیا گیا ہے عقلمندی سے انگلستان اور امریکہ کے اندر ہی خدا کی معمورہ سند کے موافق خرچ کیا جاتا تو اسقدر لوگ سیدھی راہ پر آسکتے تھے کہ جسکا سواں یا ہزارواں حصہ بھی بیرونجات میں فایدہ نہیں ہوا" (دیکھو ہسٹری آف دی پروپیگیشن آف کرسچینٹی امنگ دی ہیدن جلد ۳ صفحہ ۳۹۹) اب یہ ایسا قول و دل جملہ ہے کہ نہ تو اس سے زیادہ تشریح کی حاجت ہے اور نہ اسپر کسی زیادہ حاشیہ کی گنجایش ہے۔

اب اس مرحلہ پر ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ساری مشنری جد و جہد اور کارروائیوں سے کس قسم کا مصالحہ طیار ہوا ہے؟ جب ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ثابت ہوتا ہے کہ غیر عیسائی ممالک میں گرجا قایم کرنیسے نہ صرف وقت ہی ناحق ضایع ہوا اور مال ہی بے فایدہ اور رائگان خرچ کیا گیا بلکہ سب سے بڑھکر نہایت دردانگیز اور نوحہ خیز بات جو اس سے پیدا ہوئی ہے وہ ایک نہایت سنگین خطرناک اخلاقی تباہی ہے جو ایک طرف عیسائیوں کی رشوت دہی اور شر آموزی سے اور دوسری طرف دیسیوں کو ریاکاری سے عیسائی بنانیکے لیے طرح طرح کی مضبوط ترغیبیں دینے سے پیدا ہوئی ہے۔ (۳) ہر ایک شخص جس نے پوری بے تعصبی حق جوئی اور انصاف پسندی سے اس طرز عیسائیت کو غور سے دیکھا اور تجربہ کیا ہے جسکی مختلف عیسائی مشنری ایجنسیوں کے ہاتھ سے نئے دیسی میدانوں میں تخم ریزی ہوئی اور جو وہاں نشو و نما پا رہی ہے۔ اس کے روزانہ مشاہدوں اور لمبے تجربوں سے اس بات کی کافی اور زبردست شہادت ملتی ہے کہ مشنری لوگونکی تاثیرات کا دیسی لوگوں کے دلوں پر کیسا مخرب اخلاق اثر ہوا ہے۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر میں ایک فاضل بدھ مہنت کا برہما اور سیلون میں مشنری محنتوں کے ثمرات کے متعلق بیان نقل کرتا ہوں۔ "برہما اور سیلون میں جتنی مختلف عیسائی مشنیں کام کر رہی ہیں اُن سب کے کاموں کے متعلق میرا علم مجھے کوئی اچھی رائے قایم کرنیسے مانع ہے۔ کیونکہ لوگوں کو عیسائی بنانے کے لیے جو جو طریق یہ لوگ کام میں لاتے ہیں۔ وہ ایسے مکروہ ہیں کہ کوئی معقول انسان اپنے اہل ملک کو انکی طرف راغب ہوتے دیکھنا پسند نہیں کر سکتا۔ سیلون میں جو مختلف عیسائی

فرقوں نے لوگوں کو عیسائی بنایا ہے۔ یہ ایک ایسی جماعت بنی ہے کہ جو دونوں طرفوں سے محروم ہیں۔ اِدھر خود بدھ لوگ انسے متنفر اور اُدھر اعلیٰ درجہ کے یورپین لوگوں کی نظروں میں قابل حقارت ہیں۔ وہ لوگ اُن کو روٹیوں کے عیسائی کہتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں یہ لوگ صرف اسی خیال سے عیسائی مذہب میں داخل ہوتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ پادری صاحب کی سفارش سے یا انہیں کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹی موٹی سرکاری ملازمت ملجائیگی اور یا کسی ادنیٰ درجہ کے تجارتی کاروبار میں انہیں کوئی اسامی ہاتھ آجائیگی۔ ان ملکوں میں جس قسم کی عیسائیت شایع ہو رہی ہے وہ ایسی ہے کہ جس کی کسی معقول ملک میں گنجایش نہیں ہو سکتی۔ مشرقی مشنری عموماً اس دلیل کو بڑے زور سے پیش کیا کرتے ہیں کہ مغربی اقوام کو یہ عظمت اور طاقت صرف عیسائی دین ماننے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ خدا نے ان لوگوں کو تمام دنیا کے انسانوں پر حکومت عطا کی ہے جنہوں نے خدا کی خدمت کی ہے۔ اس امر میں ان لوگوں نے عجیب عیاری اور چالاکی سے کام لیا ہے کہ ہمارے ملک کے نیم تعلیم یافتہ لوگوں سے یہ اصلی واقعہ بہت ہشیاری سے مخفی رکھا ہے کہ ان قوموں کو اُسی نسبت سے عظمت اور وجاہت حاصل ہوئی ہے جس نسبت سے انہوں نے اس عیسائیت کے عقاید کو خیر باد کہا ہے۔ اور جس نسبت سے انہوں نے اس دین کے مسئلہ "اپنے ہمسایہ سے ایسا پیار کر جیسا کہ تو اپنے آپ سے پیار کرتا ہے" کو ترک کر کے اسکی جگہ اس کے برعکس ایک منٹ میں تین سو گولیاں چلانے والے ہتھیار تیار کیے ہیں اسی نسبت سے انکو قوت و شان حاصل ہوئی ہے۔ اس سے بڑھکر بڑی بات یہ ہے کہ وہ اس بات کا بھی دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ اسی دین عیسوی کی بدولت ہم آج دنیا بھر میں سب سے دانا اور تعلیم یافتہ ہیں۔ اور ہمیں مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اپنے مفلوک الحال جاہل بدھ لوگوں کی طرف دیکھو! تم سب عیسائی دین کو نہیں مانتے جھوٹے مذہب پر عقیدہ رکھے ہوئے ہو۔ اور اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ زمین چپٹی ہے۔ اور اسکی ناف میں ایک بڑا بھاری پہاڑ ہے اور سورج اور چاند اسکے گرد گھومتے ہیں اور اسی وجہ سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ہم خدائے واحد کے ماننے والے حق الیقین کے طور پر جانتے ہیں کہ زمین چپٹی نہیں بلکہ نارنجی کی طرح گول ہے اور سورج کے گرد گھومتی ہے اور ہم انجن بنانا۔ تار لگانا۔ بندوق طیار کرنا اور ایسے ایسے فنون اور ہنر جانتے ہیں یہ سب عیسائی دین کی بدولت ہی ہمکو حاصل ہوا ہے یہ ایسے تجاہل عارفانہ کرنیوالے ہیں کہ ڈارون اور بریڈلا اور ان کے سوا جس شخص نے اس بات کے اظہار کی جرأت کی کہ حق ان اناجیل سے باہر ہے ان سب کو جو جو عقوبتیں اور تکالیف ان زمانہ میں پہنچائی گئیں وہ گویا اس سے بھی واقف نہیں۔ لیکن اب تدریج اور آہستگی سے زمانہ سمجھا رہا ہے۔ اور ترقی کی طرف قدم مار رہا ہے۔ اس سے پہلے پہلے تو مشنری لوگوں کے تاخت و تاراج سے بہت نقصان پہنچ چکا ہے۔ جسکا کثیر حصہ تو سیلون کو برداشت کرنا پڑا اور تھوڑا حصہ برہما والوں کو کیونکہ جس نسبت سے اُن کی

تعلیمات کی اشاعت ہوئی ہے اسی نسبت سے نقصان ہوا ہے۔ سیلون کا تو اب یہ حال ہو رہا ہے کہ جو لوگ اعلیٰ درجہ کی چائے کی کاشت کرنیوالے ہیں۔ اب وہ عیسائی اور سبز کو کسی صورت میں رکھنا پسند نہیں کرتے جب ہمیں سیلون میں تھا تو وہ لوگ اکثر مجھے کہا کرتے تھے کہ ہم اپنے ذخیروں میں کسی عیسائی کو گھسنے تک نہ دیں گے۔ ہم کسی بدھ یا ہندو یا مسلمان کو رکھ لیں گے۔ مگر کوئی عیسائی نہ رکھیں گے۔ اب انکو اس بات کا پتہ لگنا شروع ہو گیا ہے کہ طرح طرح کی چھوٹی چھوٹی خیانتیں اور ہر قسم کی دغا بازیاں جتنی ان دیسی عیسائیوں سے صادر ہوتی ہیں وہ کسی اور کے ہاتھ سے نہیں ہوتیں۔ اور اسکی وجہ دریافت کرنا کوئی مشکل کام نہیں بلکہ بہت آسان ہے۔ کچھ تو اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ محض پیٹ کی خاطر اپنا دین فروخت کر دیتے ہیں اس سے بدتر انسان اور کون ہو سکتا ہے۔ لیکن سب سے بڑی وجہ وہ تعلیم ہے جو انکو عیسائی دین میں دیجاتی ہے۔" (۴)، ملک سیام میں بھی عیسائی مشنری لوگوں کی غلط کوششوں سے ایسے ہی ثمرات پیدا ہوئے ہیں ایلے بیسٹر کہتا ہے کہ "میں ڈرتا ہوں کہ پراٹسٹنٹ مشنریوں نے اتنا روپیہ سیام میں خرچ کیا ہے پر وہاں فی دس ہزار پونڈ یعنی ڈیڑھ لاکھ روپے کے بدلے ایک نیک سیامی عیسائی نہیں بنا سکے۔ اگر کسی نے اس دین کو قبول بھی کیا ہے تو وہ بہت شاذ و نادر ہے۔ اکثر مشنریوں کی کارروائی رائگان جاتی ہے۔" چین کے روٹیوں کے عیسائی بھی مشہور ہیں۔ لنڈن مشنری سوسائٹی کی رپورٹ بابت سنہ ۱۹۰۶ء میں پادری لیٹل کہتا ہے کہ "ایچانگ میں جتنی انجیلیں فراخ دلی کے ساتھ تقسیم کیجاتی ہیں اکثر ان میں سے جوتوں کے تلوے بنانیکے کام میں لائی جاتی ہیں۔" اور یہ بھی لکھا ہے کہ کوئی معزز چینی کسی مشنری کو اپنے گھر میں گھسنے نہیں دیتا۔ انربیل جج ہیٹن اسٹریلیشیا میں انکے نتائج کے متعلق اس سے بھی زیادہ زور سے لکھتا ہے۔ پہلے یہ بات لکھکر کہ "کوئی انسان وہاں کسی مشنری لڑکے کے ساتھ کسی طرح کا تعلق ہرگز نہیں رکھنا چاہتا۔ ہاں جب کہیں ان کے سوا کوئی مل نہ سکے تو پھر بہت اکراہ کے ساتھ اسے کام پر لگایا جاتا ہے" وہ اسطرح مشنری لوگوں کی محنتوں کے ثمرات کو بطور خلاصہ لکھتا ہے "ایک بڑا کھلا واقعہ باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کسی جنوبی سمندر کے جزیروں میں رہنے والے کو عیسائی بنانے کی کوشش کرنے میں مشنری لوگ ایک معصوم اور محنتی وحشی کو نکما بدمعاش بنا دیتے ہیں۔" اسی طرح اس امر کے متعلق اور بہت سی شہادتیں موجود ہیں لیکن ہمارے خیال میں یہ تھوڑی سی مذکورہ بالا شہادتیں ہی عیسائی مذہب کے دیسیوں کے دلوں پر تاثیرات کا عام خاکہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہونگی۔ (۵) بحر الکاہل کے عیسائیوں کا حال بیان کرتے وقت ایک بڑی مشہور بات بلا تامل سامنے آجاتی ہے۔ جو عیسائی مشنوں کے بداثر کو خاص طور پر عیاں کرتی ہے۔ ان پرامن جزیروں میں رہنے والوں میں عیسائی مذہب کے پھیلنے کے ساتھ دیسی ریاست کی قطعی تباہی اور نئے عیسائیوں اور انکے دوسرے ہم وطنوں کے درمیان خطرناک تباہ کن اور خونخوار لڑائیوں کی بنیاد پڑ گئی۔ ٹاہٹی میں مشنری لوگوں نے جس طرح سے

بعض لوگوں کو عیسائی بنایا ہے اسکا ذکر کوٹزبیو نے کیا ہے اور اس کے ضمن میں لکھا ہے کہ "یہ تبدیل مذہب ایک شرارہ آتش کو بارود کے میگزین میں ڈالنے کی طرح تھا۔ جو آگ لگتے ہی فوراً پھٹ نکلا..... نو مرید بنانیکے شوق میں ان بھیڑیوں کے غضب نے ان لوگوں پر تسلّط کر لیا جو کبھی بہت حلیم النسان تھے۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں اور ساری قوم تباہ ہو گئی" جو لوگ ان سارے نقصانات کے لیے جو عیسائی مذہب کی تعلیم سے پھیلے ہیں صرف اسی قدر تلافی کافی سمجھتے ہیں کہ اس سے تہذیب اور تعلیم پھیلی ہے۔ انکے لیے میں ذیل کی چند سطور کو جو اسی مصنف کی لکھی ہوئی ہیں یہاں نقل کرتا ہوں "یہ سچ ہے کہ مشنریوں کے مذہب نے جہاں بہت حصہ بدی کا پھیلایا ہے۔ اسکی بدولت غیر عیسائی اوہام پرستی اور نامعقول عبادات دُور تو ہوئیں۔ لیکن انکی بجائے نئی قسم کی غلط کاریوں کو اس نے رواج دیدیا ہے۔ ایک طرف چوری وغیرہ کی خرابیوں کو روکا ہے پر دوسری طرف تعصب اور ریاکاری کو پھیلایا ہے اور دوسرے مذہبوں کی نسبت سخت حقارت اور نفرت کے خیالات پیدا کر دیئے ہیں جو کسی زمانہ میں ٹاہٹیوں کے خوش مزاج اور عالی اور فراخ حوصلہ لوگوں کو معلوم ہی نہ تھے۔ اس نے ایک طرف انسانی قربانی کی رسم کو جڑھ سے اُکھاڑا ہے لیکن جتنے انسان بت پرستوں کے دیوتاؤں پر قربان ہوا کرتے تھے۔ انکی نسبت بہت زیادہ جانیں خود عیسائیت پر قربان ہوئیں" (دیکھو نیو ایج جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۱۶۹)۔ کوٹزبیو کا سفر ۲۶-۱۸۲۳ء کے درمیان ہوا۔ اور عیسائی مشنری اس علاقہ میں اس سے تیس سال پہلے پہنچے ہوئے تھے۔ جولائی ۱۸۷۵ء کے ویسٹ منسٹر ریویو میں عیسائی مذہب کے ایک سو سال کے بعد کے نتیجہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۷۷۵ء میں کک نے دریافت کیا کہ ٹاہٹی میں دو لاکھ انسان آباد ہیں۔ مگر امریکہ کی مہم تحقیقات سے پہلے جب آبادی کا تخمینہ مردم شماری سے کیا گیا تو نوّے ہزار تھا۔ سینڈوچ جزائر میں آبادی کی اسقدر کمی ہو رہی ہے کہ جس کی نظیر تاریخ میں پائی ہی نہیں جاتی۔ جن لوگوں نے پہلے پہلے اس علاقہ میں سفر کیا تھا وہ چار لاکھ آبادی شمار کرتے تھے۔ اب آبادی پینسٹھ ہزار سے بھی کم ہو گئی ہے۔ تباہی اس حد تک پہنچ رہی ہے کہ ہر پچیس سال میں آبادی نصف کے قریب کم ہو جاتی ہے۔ ان خوشنما جزائر میں جو مشنری شکاریوں کے لیے بہت خوش شکارگاہ ہے۔ عیسائی دین لوگوں کو انسانیت اور تہذیب سکھانے میں جس طرح ناکام اور نامراد ہوا ہے وہ بے شمار لوگوں کے آنسوؤں اور خون سے جو اس مدعی صلاحیت انجیل کے نام پر قربان ہوئے ہیں صفحہ تاریخ پر لکھا ہوا ہے۔

شاید کسی کو یہ خیال گذرے کہ ہم نے جو کچھ ان بیرونی مشنوں کے متعلق لکھا ہے اسپر عیسائی دین کی سخت مخالفت کی وجہ سے بہت کچھ اپنا رنگ چڑھایا ہے۔ اس لیے ہم جان ولیمز کی شہادت کو لکھتے ہیں۔ جو بڑا نامی گرامی مشنری ہے اور جس نے مدت العمر ان لوگوں میں مشن کا کام کیا ہے۔ ہم اس کی وہی بات درج نہیں کریں گے جس سے یہ ظاہر ہو کہ عیسائی وعظ سے کس قسم کی اخلاقی حالت پیدا ہوئی ہے۔ بلکہ ہم اس کی شہادت سے یہ بات

دکھائیں گے کہ عیسائی مذہب کی بدولت کس قسم کے مظالم برپا ہوئے۔ چنانچہ راراٹانگا کے باشندوں کے حال کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں۔ "اس پیاری جگہ کے باشندے زمانہ قدیم سے چوری کرنیکے بہت عادی چلے آتے تھے۔ چونکہ اکثر لوگوں نے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی عیسائی مذہب قبول کیا تھا اس لیے جونہی کہ جوش کا ولولہ جو تبدیل تمدن سے پیدا ہوا تھا کم ہوا تو فوراً وہ اپنی اُنہی عادات کی طرف رجوع کر گئے جو بچپن سے ان میں متمکن ہو رہی تھیں" (دیکھو مشنری انٹرپرائز ان ساؤتھ سی آئلنڈز ۱۸۳۷ء صفحہ ۱۲۶)۔ غرض تہذیب اخلاق کو یک لخت اختیار کرکے ان پیچھے رہے ہوئے لوگوں کو شائستگی کا مطیع بنانے اور سر توڑ زور اور پوری اخلاقی قدردانی پر کاربند رکھنے کے لیے امانت اور مروت کی راہوں سے مانوس کرنیکی بجائے عیسائی مشنریوں نے انہیں ایک نئی وہم پرستی کے ورطہ میں ڈالدیا۔ جس سے انمیں خونخوار نومریدی کا تازہ جوش پیدا ہوگیا۔ اس مضمون پر ہمارا مشنری ایک پُروحشت بات لکھتا ہے جو ذیل میں درج کیجاتی ہے "یہ بات غور کے قابل ہے۔ کہ کسی بڑے جزیرہ میں سائی دین بغیر زور شمشیر کے مُروج نہیں ہوا لیکن یہ بات بیان کرنا ٹھیک ہے کہ ہر موقعہ پر حملہ کی ابتدا غیر عیسائیوں کے ہاتھوں سے ہوتی رہی" "یہ بات کہ یہ حملے کس قسم کے تھے ذیل کی عبارت سے معلوم ہوسکتی ہے۔ "مقام منگارا میں جنگ کی یہ وجہ ہوئی کہ اتوار کے دن بت پرست لوگ گانے اور کھیلنے کا جشن کیا کرتے تھے۔ اور عیسائیوں کو دھمکاتے تھے۔ اس لڑائی میں عیسائی فتحیاب ہوئے۔ لیکن اپنے دشمنوں سے سخت بے رحمی کا سلوک کیا۔ وہ لوگ رحم کے طلبگار ہوئے انہوں نے انکی ایک نہ سُنی بلکہ بے رحمی کے ساتھ انکو چیر کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا" (۶) دیسی لوگوں کے مستعد قبولیت اور بے تمیل و حجت قبول کرنیوالے دلوں میں مخالف مذہب کے نصب کرنے سے اکثر اور عموماً گندی قسم کی وہم پرستی کا دوبارہ زندہ ہونا مراد ہوتی ہے۔ اگرچہ بہت سی مثالیں اس قسم کی موجود ہیں لیکن ہم اسجگہ صرف ایک ہی واقعہ کو بطور مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ جس سے جزیرہ سینڈوچ کے بدنصیب باشندوں کا حال اور انکے عیسائی ہوجانیکے بعد کی مصیبتیں واضح ہونگی۔ جولائی ۱۸۵۶ء کے ویسٹ منسٹر ریویو میں ایک شخص نے فریاد کی ہے کہ "چند مشنری جوشیلوں کی کوششوں سے سارا ملک عنقریب تباہ ہوجانے کو ہے۔ ہزارہا ایکڑ زمین جس میں بہت عمدہ فصل پیدا ہوتے تھے۔ اب ریگستانی میدان ہورہے ہیں کھانے کی چیزیں اسقدر گراں ہوگئی ہیں کہ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ خود بادشاہ نے سفیر امریکہ سے کچھ روٹی منگوا بھیجی۔ ماہی گیری بالکل ترک کردیگئی ہے۔ اور سوائے مشن سکولوں کے کہیں آبادی اور رونق نظر نہیں آتی۔ ان مدرسوں میں لوگوں کو تعلیم دیجاتی ہے۔ کہ کل کی کچھ فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ اور باغ کے خوش رنگ پھولوں کی طرح لباس پہننا اور کوّوں کی طرح کھانا چاہیئے۔ پھر اسکے علاوہ یہ بھی تعلیم دیجاتی ہے۔ کہ سب لوگ آزاد اور مساوی رتبہ پر پیدا کیے گئے ہیں اس قسم کے خیالات ان لوگوں میں اس حد تک سرایت کر گئے ہیں کہ وہ حمق اور عُجب میں غرق ہوگئے ہیں۔ امرا کی خدمت کرنیسے انکار کرتے ہیں اور انکو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ اور بنگھم (ایک امریکن مشنری) کو

اپنا حقیقی بادشاہ سمجھتے ہیں‘‘ اسی طرح ڈاکٹر لیٹورنیو کی شہادت ٹاہیٹیوں کے متعلق نقل کیجاتی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ٹاہیٹی میں بہت خطرناک خونخوارانہ جنگیوں سے عیسائی مذہب پھیلایا گیا۔ عیش عشرت میں حد سے ترقی ہوگئی باہم جنگ و جدل اور نفاق بڑھ گیا اور ان تمام بدیوں پر ریاکاری کا برقع ڈالکر پردہ پوشی کیجاتی ہے۔ عورتیں جہازوں پر دن کے وقت نہیں جاتیں وہ رات کے وقت جہازوں پر خود جاتی یا لوگوں کے ساتھ جاتی تھیں۔ شہوانی عاشقانہ خواہشیں ان لوگوں میں ایسی زور سے پائی جاتی تھیں کہ باوجود انگریزی حکومت کے زبردست انتظام کے عورتیں اور بچے عموماً اس قسم کی گندی اغراض پر عیسائی بنائے جاتے تھے اور مردوں اور عورتوں میں باہمی گفتگو پرلے درجہ کی بے حیائی سے ہوتی تھی‘‘

ان باتوں سے ہمیں صاف نظر آرہا ہے کہ کس طرح عیسائی مذہب کی نو مریدی اور بدچلنی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں جو لوگ روٹی کی غرض سے عیسائی ہوتے ہیں وہ نہ تو دینی پہلو سے اور نہ عقلی پہلو سے سچے عیسائی ہوسکتے ہیں اور ہر زمانہ اور ملک میں جبر اور دغا انجیل کی منادی کے لیے پسندیدہ ذرائع خیال کیے جاتے اور عمل میں لائے جاتے رہے ہیں۔ اور کہیں یہ دونوں ناپاک ذرائع باہم ملکر کام کرتے رہے ہیں اور ان طریقوں کا عملدرآمد کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ کلیسیائی تاریخ کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قسطنطین سے لیکر وحشیوں کے آباد ہونے تک اور پوپوں کے سیاسی اقتدار سے لیکر عیسائی عقیدہ کی یورپ کے مذہبوں پر فوقیت حاصل کرلینے کے زمانہ تک پرلے درجہ کی شرارت اور جہالت اور وحشت سے مسلمانوں یہودیوں اور پراٹسٹنٹوں وغیرہ کے برخلاف یہی طریق عمل میں آتے رہے ہیں۔

(۷)

عیسائی مشنری جس طرز سے دیسی لوگوں کے مذہبوں پر حملے کرتے ہیں وہ حمق اور جہالت سے پُر ہے۔ اگر ایک قسم کی بت پرستی اور توہم پرستی کا استیصال کیا جاتا ہے تو ایک دوسری قسم کی بت پرستی اور توہم پرستی کا عقیدہ انکے دلوں میں راسخ کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انکی مذہبی تعلیم باوجودیکہ وہ ایک اعلیٰ قوم کے لوگ ہیں اور جو لوگ انکے زیر مشق ہیں وہ ادنیٰ اور کم تہذیب یافتہ قوموں کے لوگ ہیں انپر کوئی مفید اثر پیدا نہیں کرتی اور نہ انکی ادنیٰ حالت کو اعلیٰ حالت میں بدل سکتی ہے۔ مصنف کانکویسٹس آف دی کراس (فتوحات صلیب) صاف طور پر اس دھوکہ کا بیان کرتا ہے جس میں مشنری باغ میں کام کرنیوالے مزدور مبتلا ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ ’’بعض لوگ جو مشن میں نہایت ذوق و شوق سے کام کرتے تھے وہ یہ حال دیکھکر بالکل گھبرا گئے اور مایوسیوں سے دلبرداشتہ ہوکر کام ہی چھوڑ بیٹھے۔ اور بستی (نیوزیلنڈ) کو خیرباد کہکر بہتر مقامات کی تلاش میں نکل پڑے۔ انہیں سے ایک نامی گرامی صاحب نے اپنے الوداعی وعظ میں اس بات کو مانا ہے کہ میری شکست کا سب سے زیادہ تلخ پہلو یہ ہوا ہے کہ پچیس سالوں کی لگاتار کوشش اور محنت کے بعد اب مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ نیوزیلنڈ میں اُس سے زیادہ عیسائی نہیں ہوسکے جو اُس دن موجود تھے جبکہ میں پہلے پہل اسجگہ آیا تھا‘‘ (دیکھو صفحہ ۸۶)۔ اگر قضا کار کہیں مشنریوں کی کوششوں میں کچھ کامیابی بھی ہوئی تو اسکی وجہ غیر لوگوں کا عیسائی دین قبول کرنا نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ خالص

مادّی امداد حاصل کرنیکا نتیجہ ہے۔ چنانچہ جیمز گلمور اپنی تصنیف "امنگسٹ دی منگولز" (مغلوں کے درمیان) میں لکھتا ہے کہ "اکثر لوگ جو میری انجیل کی منادی سے بہت بڑی دلچسپی ظاہر کیا کرتے تھے اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ جب وہ بیمار ہوا کرتے تھے تو میں انہیں طبی امداد دیا کرتا تھا۔ اُنہیں روحانی آرام اور روشنی کی نسبت جسمانی تندرستی کی بہت جستجو رہتی تھی۔" ایسا ہی سر ایچ ایچ جانسٹن کی شہادت بھی ایسی ہی پُرزور ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "افریقہ کی مشنوں کا امداد اور شکریہ اور عزت پانیکا کوئی استحقاق اسوجہ سے نہیں کہ انہوں نے عیسائی دین کو پھیلایا ہے۔ خالص عیسائی پہلو سے جب اس معاملہ پر نگاہ کیجاتی ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ لوگ کچھ بھی کامیاب نہیں ہوئے۔ اکثر بڑے بڑے اضلاع میں جہاں وہ بیس بیس برسوں سے کام کر رہے ہیں اگر دیانت اور امانت کے ساتھ شمار کیا جائے تو بیس مخلص عیسائی بھی نہیں نکلتے۔ یعنی بیس دیسی بھی ایسے دستیاب نہیں ہو سکتے جو ان نو آموختہ مسائل کو کسی حد تک سمجھتے ہوں اور اپنے اخلاق اور وضع کو انکے موافق بنانیکی کوشش کرتے ہوں۔ افریقہ کے دوسرے حصوں میں اور خصوصاً برٹش مقبوضات میں جہاں کثرت سے برائے نام عیسائی آباد ہیں وہاں انکی بدولت اس مذہب کی بہت بے اعتباری پھیل رہی ہے۔ کیونکہ جسقدر کسی بستی کے بدمست شراب خوار۔ دروغگو۔ بدمعاش اور نجس لوگ ہیں وہ سب کے سب عیسائی مذہب میں شمار ہوتے ہیں۔ ہمارے پُرانے افریقہ کے مغربی مقبوضات میں خاص شہر کے ملگدلیتی لوگ عیسائی دین کے ماننے والے ہیں۔ یہانتک کہ ایسے لوگ جو فسق و فجور کی وجہ سے سب سے بدنام ہیں وہ بھی اس بات پر ناز کرتے ہیں کہ ہم نے کبھی کمیونین سنڈے کو گرجا جانے سے ناغہ نہیں کیا۔ ..... مجھے اس بات کا بیان کرتے ہوئے بہت افسوس آتا ہے کہ سوائے معدودے چند کے افریقہ کے دیسی پادری۔ معلم۔ مناد وغیرہ جو میرے دیکھنے میں آئے ہیں اور جن سے مجھے تعارف ہوا ہے سب کے سب کسی نہ کسی کم و بیش گناہ اور بدکاری میں مبتلا ہیں۔ انکی ساری کوششوں کا ماحصل یہی ہے کہ اپنی بے لگام بدچلنی اور بے حیا ریاکاری پر پردہ ڈالے رکھیں۔ اور ظاہر طور پر مذہب کا دکھاوا کرتے رہیں۔ اور یہ ایسی گندی روش ہے کہ جو ایک سلیم الطبع اور امانت پسند دل کے لیے تمام بدچلنیوں سے زیادہ بدتر ہے۔ یہ ظاہر تھا کہ اُنکے پتھر دلوں میں مذہب کا ایک ذرہ بھر بھی اثر نہیں ہوا۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ وحشیانہ بہادری اور تہور کی روح جو انکے وحشی آبا و اجداد میں موجود تھی انکی جھوٹی اور بزدلانہ طبیعتوں میں داخل ہی نہیں ہوئی۔ یہ سخت الفاظ ہیں لیکن یہ سوچے سمجھے بغیر نہیں لکھے گئے۔" (دیکھو نائنٹینتھ سنچری ریویو بابت نومبر ۱۸۸۷ء)

(۸)

اگر ان عام امور کو علیحدہ رکھکر ہم چین۔ ہندوستان اور جاپان میں عیسائی مذہب کی تاریخ پر ایک نظر ڈالکر دیکھیں تو یہاں بھی وہی قصہ نفاق اور عیاری کا دیکھنے میں آئے گا۔ ان ملکوں میں دیسیوں کو عیسائی مذہبی حریف فرقوں نے ایک آلہ یا کٹھ پتلی بنایا ہوا ہے۔ یہ تمام فرقے اس بات پر تُلے ہوئے نظر آ رہے ہیں کہ کالے لوگوں کو مغربی یورپ کے روحانی اور سیاسی جوئے کے نیچے لے آویں۔ اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ ناجائز حقوق جو یہ مشنری چین میں

تلاش کرتے اور حاصل کر چکے تھے وہی اُس آگ کے بھڑکانیکا موجب ہوئے تھے جو چند سال ہوئے ہیں کہ چینی اور یورپ کی دوسری گورنمنٹوں کے درمیان بھڑک اُٹھی تھی۔ ان مشنری ایجنسیوں نے جس حق حفاظت کا چینی سلطنت کے برخلاف دعوے کیا وہی خطرناک طور پر چینی لوگوں میں بے امنی پھیلانیکا ذریعہ ہوا۔ اور اس حق کی رعایت کو (جو اکثر قابل اعتراض ذرایع سے حاصل کیا جاتا ہے) ان عیسائیوں نے اپنی فوقیت اور عظمت کے ثبوت میں ایک چیز اس کی طرح پہنا ہوا ہے جولائی ۱۸۶۰ء کے کوارٹرلی ریویو' میں ایک نامہ نگار نے اس بات کو خوب تشریح سے لکھا ہے کہ ان کارروائیوں کا دیسیوں کے دلونپر کیا اثر ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ " ایک بزدل حاکم کے علاقہ میں جب کسی مشنری کا گذر ہوتا ہے تو وہ اُسے ایک وبا سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کے آنیسے اُس کے انتظام میں خلل واقع ہوجاتا ہے۔ اُس کے اقتدار اور رعب میں فرق آجاتا ہے۔ یہانتک کہ اُس حاکم کی اپنی تباہی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ موجودہ طرز میں ہر ایک رومن کیتھلک مشنری اور خصوصاً ہر فرانسیسی نژاد سلطنت چین کے لیے ابتلا کا موجب ثابت ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ آئے دن ہمیشہ کہیں نہ کہیں سے کسی فساد کی خبر ہمارے سننے میں آجاتی ہے " مشنریوں کے اس باطل دعوی کا کہ انہیں ایک دشمن اور ظلم رسیدہ قوم کے اندر ایک الگ کی الگ حکومت دیجاوے جس کا ملکی حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ان اقوام پر جو فطرتاً متحمل اور بُردبار ہیں یہ اثر ہوا ہے کہ انکا جایز غصہ ان پادریوں کے خلاف جن پر " باہر سے آئے ہوئے شیطان " کا خطاب نہایت عمدہ طور پر چسپاں ہوتا ہے اور بھی بھڑک اُٹھتا ہے۔ اس وقت یہ سخت ضروری ہوگیا ہے کہ یورپ کی مہذب اور شائستہ قومیں ان کمینہ مشنریوں کے ایسے متکبرانہ اور خطرناک باطل دعووں کی حمایت کو چھوڑ دیں۔ ان مشنریوں کے غیر معتدل جوش سے اکثر جنگوں کی افواہیں سُنی جاتی ہیں اور جنگ برپا ہوجاتے ہیں اور یورپ کی قوموں کو بڑے خرچ سے انہیں تیار کرنے اور تاخت وتاراج اور لوگوں کے ملک چھیننے پر آمادہ کرنیکا موجب ہوتے ہیں۔ یہ مشہور بات ہے کہ ٹیپنگ کا غدر جس نے پندرہ سال تک چین میں امن قایم نہ ہونے دیا اور سیکڑوں میلوں میں اچھے اچھے آباد قصبے اور خوشنما زرخیز کھیت تباہ کر دیئے اور کئی بار قتل عام اور محاصرے ہوئے۔ اور ایسے خطرناک مظالم ہوئے کہ جن کا ذکر ہی نہیں ہوسکتا۔ اور قحط پڑے۔ ان سب کا باعث انہیں مشنریوں کے وہ رسائل ہوئے تھے جو جاہل قوموں میں انہوں نے شایع کیے تھے۔ اور پھر مخبوطانہ کوشش سے انکے قدیم مذہب کو ترک کرا کے عیسائی مذہب کا بہروپ قایم کرنا چاہتے تھے۔ (دفرار پرمیٹو منرس وغیرہ صفحہ ۲۶۲)

یہ بھی مشہور بات ہے کہ حال میں جو چین کی تقسیم واقع ہوئی اور پھر اس کے بعد روس وجاپان میں خطرناک جنگ چھڑ اٹھا وہ بھی انہیں عیسائی پادری صاحبان کی شرارتوں اور چالاکیوں کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ ہرڈی برانڈ جو کسی زمانہ میں سلطنت جرمنی کی طرف سے چین میں سفارت کے عہدہ پر ممتاز تھا اس نے کرسٹلک ویلیٹ' اخبار میں ۲- اگست سنہ ۱۹۰۶ع کو ایک مراسلت شایع کرائی تھی۔ اس میں اس نے کھلے طور پر کپتھولک اور پراٹسٹنٹ مشنریوں کو اسبات کا مجرم قرار دیا تھا کہ چین میں جو واقعات پیدا ہوئے اور جن سے یورپ کی قوموں کو متفق ہوکر کارروائی کرنی پڑی وہ سب انہی کی

Digitized by Khilafat Library

مذہبی بے چینی

آسمان نے کچھ ایسا رنگ بدلا ہے کہ جہاں جاؤ وہیں مذہبی سمندروں میں بے چینی کا جوش پھیلا ہوا ہے۔ لیکن یہ مذہبی شورش اور بے چینی جس قدر زور اور مضبوطی کے ساتھ عیسائیت میں محسوس ہو رہی ہے اس کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی۔ ہمیں ہر دن اس مذہب میں ہی نئے طریقوں اور نئے عقاید کے پیدا ہونیکی خبریں ملتی ہیں۔ اور ہر روز اس مذہب کے پیروؤں کے گروہ میں تخفیف ہوتی چلی جاتی ہے۔ آجکل اخباروں کے کالموں میں نئی تھیولوجی کے بہت زور شور سے تذکرے ہو رہے ہیں۔ ریورنڈ آر جے کیمبل جو سٹی ٹمپل کے بڑے جوشیلے نان کنفارمسٹ پادری ہیں۔ انہوں نے پرانے عیسائی مسائل کی ایک لغو اور نئی تشریح کی ہے جس کو نئی تھیولوجی یعنی نیا علم الٰہی کہا گیا ہے (اسے بائبل کی خوش نصیبی کہو یا بدنصیبی) تمام نئے نئے عقاید جو پرانے عقاید کی بیخکنی کرنیوالے ہیں۔ وہ سب کے سب اسی بائبل سے مستنبط ہوتے ہیں۔ اور جس طریق سے یہ استنباط کیا جاتا ہے وہ اس کتاب کے لیے جو کسی زمانہ میں بہت عزیز تھی بہت دردناک ہے۔ کیونکہ اس کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر ان کے ایسے معنے تجویز کرنیکے لیے اس پر سخت عذاب کیا جاتا ہے تو یہ بالکل باطل ثابت ہوتے ہیں لیکن جب مسٹر کیمبل جیسے عالی دماغ اصحاب انکو تشریحات رکیکہ سے معقولیت کے دائرہ میں لانیکی کوشش کرتے ہیں تو پھر ایسی تاریکی میں ڈوبتے ہیں کہ انکے کوئی معنے ہی نہیں بن سکتے۔ مسٹر کیمبل اپنے اس طریق کی (نئی تھیولوجی) کے نام سے منادی کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یسوع کا کنواری سے پیدا ہونیکا مسئلہ کائنات کی ابتدائی پیدائش کی خام اور گمراہ کن تاویل ہے یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ الوہیت کی روح نے مادہ سے خدائی صفات اپنے اندر رکھنے والے ایک انسان کو پیدا کیا۔ کفارہ سے مراد انسان کی لازمی الوہیت ہے یعنی اسکا خدا تعالیٰ کے ساتھ غیر مقطوع تعلق ہے وغیرہ۔ اخبار انڈین ڈیلی ٹیلیگراف لکھتا ہے کہ یہ نئی تھیولوجی حقیقت میں تھیوصوفی ہے۔ اور یہ بھی لکھتا ہے کہ یسوع کے کلام کے مخفی معنے جو مسٹر کیمبل یا تھیوصوفسٹوں نے دریافت کیے ہیں۔ وہ عمداً یسوع نے اپنے شاگردوں پر واضح نہیں کیے تھے۔ کیونکہ وہ موتیوں کو سؤروں کے آگے ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

ہماری غرض یہ نہیں کہ ہم اس نئی تھیولوجی کی کوئی منطقی تعریف بیان کریں اور اسکے اصول اور عقاید کی تفصیل کریں۔ اور نہ ہم یہ چاہتے ہیں۔ کہ اس کا فیصلہ کریں۔ کہ آیا یہ نئی تھیولوجی حقیقت میں تھیوصوفی کا نام ہے۔ ہم اسبات کو بیان کرنیکی کوشش کریں گے کہ اس ساری مذہبی بے چینی کے اصل اسباب کیا ہیں۔ کیونکہ جہاں کھلے طور پر اس مذہبی بے چینی نے دہریت اور مادہ پرستی کی صورت اختیار نہیں کی وہاں بھی روحوں میں خدا کی ہستی اور الہام الٰہی کے انکار اور شکوک چھپے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نئی تھیولوجی منتشر دلوں کو کچھ اطمینان بخش نہیں سکتی۔ کیونکہ جہاں ایک طرف پرانے دینی مسائل کو

باطل قرار دیکر مُسترد کیا جاتا ہے۔ وہ مسائل جو انکی بجائے پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ بھی اُسی طرح کے بے دلیل دعوی ہیں مذہبی بے چینی کی اصل وجہ یہ تھی کہ جو عقاید اور اصول مذہبی پیش کیے جاتے ہیں انکا کوئی ایسا ثبوت ساتھ نہیں جو طبیعتونکو سیر کر دے اور دلوں میں ایک اطمینان اور سکینت کیحالت پیدا کر دے۔ پس جتنے نئے عقیدے چاہو تراشتے جاؤ جبتک انکے ساتھ تسلّی بخش ثبوت نہ ہوگا یہ سب محض بیکار اور ویسے ہی لغو اور باطل دعاوی ہیں جیسے وہ جن کی بجائے یہ پیش کیے جاتے ہیں۔ اور کوئی اصلی تمیز نئے اور پُرانے عقایدمیں نہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دنیا پر مذہبی بےچینی کا ہمیشہ ایک دَورہ آیا کرتا ہے۔ اُسی قسم کا دَورہ اِس زمانہ میں بھی آیا ہوا ہے جو ہم پر گذر رہا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جو بےچینی اس زمانہ میں ہو رہی ہے۔ وہ پہلے سب زمانوں سے بڑھ کر ہے۔ بہت لوگ اس غلط وہم میں پڑے ہوئے ہیں کہ جدید علمی معلومات نے مذہبی اصول کو سخت صدمہ پُہنچایا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ سائنس اور علم نے مذہب کی بنیاد کو مستحکم کردیا ہے۔ لوگوں کے دل یقین اور ایمان سے اس لیے نہیں خالی ہوئے کہ سائنس نے خدا کی ہستی اور حیات بعداز موت کا انکار کیا ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ مذہب جو ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اُس کے اپنے اندر اتنی قُوّت نہیں کہ وہ اپنے دعووں کا ثبوت دیکر لوگوں کا اطمینان کر سکے۔ جو لوگ اپنے آپ کو دہریہ اور لامذہب کہتے ہیں۔ وہ ان ریاکاروں کی نسبت زیادہ دیانت دار اور زیادہ صاف باطن ہوتے ہیں جن کے ہونٹوں پر مذہبی عقیدوں کے کلمات جاری ہوتے ہیں۔ لیکن انکے دل ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہیں۔ یہ مسلّم امر ہے کہ جس شے کا کوئی ثبوت نہ ہو وہ بظاہر خواہ کیسی ہی خوش کن کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ عبث ہوتی ہے۔ اور جس چیز کا ثبوت موجود ہو۔ وہ معقول ہوتی ہے۔ سائنس صرف تسلّی بخش ثبوت کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور اسکا مطالبہ جائز اور صحیح ہے۔ ہم اس موقعہ پر ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ جس سے ان باتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ ہر ایک مذہب کی یہ تعلیم ہے کہ خدا کے حضور دعا کرنی چاہیئے اور یہ کہ خدا دعاؤنکو سُنتا اور قبول کرتا ہے۔ اب یہ صرف ایک دعویٰ ہے اور دعا کی قبولیت کے ثبوت کا مطالبہ بالکل واجب اور معقول مطالبہ ہے۔ یہ بات دعا کی قبولیت کا ثبوت نہیں ہو سکتی کہ بعض وقت کوئی امر جس کے لیے دعا کیجاوی حاصل ہو جائے۔ کیونکہ کئی ایسے امور بھی ہیں جن کی نسبت دعا کیجاتی ہے۔ اور وہ حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ دعا کے بغیر بھی بعض مطالب حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے صرف اس مدعا کا حاصل ہونا ہی جس کیلیے دعا کیجاوی قبولیت دعا کا ثبوت نہیں۔ دعا کی قبولیت کے ثبوت کے لیے حصولِ مدعا کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ضروری ہوتی ہیں۔ مثلاً جب کوئی انسان کسی امر کے لیے خدا کے حضور میں دعا کرے اور خدا کے حضور سے اُسکو دعا کا جواب ملے اور بعد کے واقعات اس جواب کی صداقت کا ثبوت دیں اور وہ اسکے مطابق ظہور میں آوی۔ تو یہ ایک ثبوت ہوگا اس بات کا کہ واقعی دعا قبول ہوگئی۔ جس مذہب میں اس قسم کا ثبوت ملجاوے اسکو کوئی معقول انسان ردّ نہیں کر سکتا۔ لیکن جب تک کہ ایسا ثبوت ہم نہ پُہنچے اُسوقت تک قصور اس مذہب کا ہے۔ جو اپنے دعووں کے ثبوت دینے سے عاری ہے۔ اور جو شخص ایسے نامعقول مذہب کو ردّ کرتا ہے اسکا کچھ قصور نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا عیسائی

دین دعا کی قبولیت کا ایسا ثبوت پیش کرتا ہے؟ اور اگر خود وہ مذہب ہی ثبوت دینے سے عاری اور قاصر ہے تو خدا اور الہام سے منکروں کا مطالبہ کہ کوئی ثبوت بیّن دینا چاہیئے صحیح اور جائز ہے۔ سائنس پر اس بات کا طعن رکھنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ اس نے دعا پر سے لوگوں کا ایمان اُٹھا دیا ہے۔ کیونکہ سائنس کا مطالبہ صرف عقلی رنگ میں ہے۔ اگر عیسائی مذہب دعا کی قبولیت کا ثبوت دینے سے قاصر رہ کر سائنس کے مطالبہ کو پورا نہیں کر سکتا تو اس کے بعد یہ سوال ہو گا کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا مذہب ہے بھی کہ نہیں کہ جو اس قسم کا بیّن ثبوت اپنے ان دعاوی کی تائید میں پیش کر سکتا ہو؟ ہم نقارہ کی چوٹ سے میدان میں آکر اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ایسا مذہب دنیا میں موجود ہے اور وہ ایک ہی مذہب ہے جو اس معیار پر اپنے دعووں کا ثبوت دے سکتا ہے لیکن قبل اس کے کہ ہم اس مذہب کا نام بتائیں اور اس کے پیش کردہ ثبوتوں کا نمونہ پیش کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اس امر کا بیان کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ کن کن راہوں سے دین حق کو دنیا میں زندہ رکھتا ہے مذہب کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ وہ مذہب اپنے پیرووں میں تقویٰ و طہارت کی روح نفوذ کرنیکی طاقت رکھتا ہو اور انہیں نفس امّارہ پر غلبہ پانیکی قوّت بخش سکتا ہو۔ اور اس میں ایک ایسی مقناطیسی جذب ہو کہ ہر قسم کے دنیاوی لالچوں اور غرضوں کو قربان کر کے لوگ اسکی طرف اُمڈے چلے آویں۔ اور اپنے دعووں کی تائید میں ایسے نشانات لامعہ اور براہین قاطعہ ساتھ رکھتا ہو کہ جس سے طالبان حق کے دلوں کو سچا اور علیٰ وجہ البصیرت ایمان اور اطمینان حاصل ہو جائے مذہب حقہ کی زندگی کی یہی علامات ہیں، اب ان معیاروں پر لگا کر پرکھنے سے عیسائی دین ایک بے جان اور مردہ دین ثابت ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا قانون مستمرہ اور سُنّت جاریہ جو صحیح مذہبی تاریخ سے ثابت ہوتے ہیں اس طرح پر واقع ہوئے ہیں کہ جب کبھی دنیا میں سخت ایمانی ضعف چھا جاتا ہے۔ اور دنیا کے مذہبوں میں ایسی طاقت و تاثیر اور قوّت جذب اور اعجاز و معجزنمائی اور زوردار براہین نہیں رہتیں تو اسوقت خدا تعالیٰ بکمال فضل اور رحم سے کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے کہ جس کے مقدم خیر سے مذہب حقہ میں نئی زندگی کی روح نفوذ پاتی ہے اور مرجھائے ہوئے نخل ایمان پھر تروتازہ ہو جاتے ہیں۔ اسی قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ مختلف زمانوں کے اندر مختلف ممالک میں انبیاءؑ نازل فرماتا رہا ہے۔ پھر جب مسیح سے چھ سو برس بعد عیسائی دین پر اُسی قسم کی موت وارد ہوئی جسکو تیرہ سو برس کا عرصہ گذر چکا ہے تو اسوقت خدا تعالیٰ نے حضرت سرور کائنات خاتم الانبیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ پھر اُسی قانون اور ان تمام پیشگوئیوں کے مطابق جو قریباً ہر مذہب میں پائی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اپنے موعود مسیحؑ کو قادیان میں نازل فرمایا ہے جنکا نام نامی حضرت میرزا غلام احمد صاحب ہے۔ حضرت ممدوح مسیح و مہدی موعودؑ نرا دعویٰ لیکر ہی نہیں آئے بلکہ وہ اپنے ساتھ اصول اسلام کی حقیت اور حقانیت کے انکشاف کے لیے نشانات سماوی اور براہین قاطعہ لائے ہیں۔ انہوں نے دین میں وہ قوّت پیدا کر دی ہے کہ جو اس کے ماننے والوں میں نئی زندگی اور تقویٰ و طہارت کی روح پھونکتی ہے۔ انکو اللہ تعالیٰ نے ایسی زبردست مقناطیسی قوّت عطا کی ہے کہ باوجودیکہ دنیا کی تمام قومیں اُنکی مخالفت میں طرح طرح کے حیلے اور

کوششیں کر رہی ہیں۔ لیکن لوگ انکی طرف کھنچے ہوئے چلے آتے ہیں۔

اب ہم اس کلام کو جو بطور جملہ معترضہ درمیان آپڑی تھی اسجگہ ختم کرکے اصل مدعا کی طرف عود کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ دعا کی قبولیت کا ایسا قطعی ثبوت پیش کرتے ہیں جو آج دنیا بھر میں کسی مذہب کا کوئی ماننے والا پیش نہیں کرسکتا۔ اور وہ ثبوت یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے ہیں۔ اور اُس دعا کا جواب پاتے ہیں۔ اور جو کچھ جواب میں انکو بتایا جاتا ہے اسکو قبل از وقت شایع کردیتے ہیں۔ پھر ان شایع شدہ امور کی بعد کے واقعات تائید کرتے ہیں۔ اور یہ تائید ایسی ہوتی ہے کہ جسپر کوئی انسانی کوشش اور منصوبہ پُہنچ ہی نہیں سکتا۔ اور ایسی ہی اعجازی اور فوق الطاقت طور پر وہ امر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ وہ مدت سے اس بات کو شایع کر رہے ہیں کہ انکے منجانب اللہ ہونیکا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انکی دعائیں قبول کیجاتی ہیں۔ اور انکی قبولیت کا ثبوت یہ ہے کہ خدا انہیں قبل از وقت ان امور سے اطلاع دیدیتا ہے جن کیلیے دعا کیجاتی ہے اکثر وہ قبل از وقت ایسی اخبار غیبیہ کو شایع کردیتے ہیں۔ اور جن اخباروں اور کتابوں میں انہوں نے انکو شایع کیا ہے وہ انکے دعووں کا قطعی ثبوت ہوجاتی ہیں۔ بہت سے ایسے نشانات ہیں کہ جن میں انکے سخت ترین دشمن بھی گواہ ہیں۔ اسجگہ ہم انکی قبولیت دعا کا نمونہ دکھانیکے لیے صرف ایک واقعہ پر کفایت کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ سرسید احمد خاں مرحوم جو مذہبی خیالات میں یورپ کی مادہ پرستی کے اثر کے نیچے دبے ہوئے تھے انہوں نے ایک رسالہ لکھا جس میں دعا کی قبولیت اور اس کی تاثیر سے انکار کیا۔ حضرت مسیح موعودؑ دعا کی قبولیت اور اس کی تاثیرات پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان رکھتے ہیں۔ انہوں نے سرسید مرحوم کے اس خیال کی تردید میں کتاب برکات الدعا لکھی اور اس میں معقولی بحث کے ذریعہ سے انکے خیالات کی غلطی کو بیّن اور زبردست دلایل سے ثابت کرکے پھر بطور نمونہ ایک دعا پیش کی اور اپنی کتاب برکات الدعا کے صفحہ ۲۸ پر لکھا ہے۔ اے کہ گوئی گر دعاہا را اثر بودے کجاست ٭ سوئے من بشتاب بنمائم ترا چوں آفتاب ٭ ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرتہائے حق ٭ قصہ کوتہ کن ببیں از ما دعائے مستجاب ٭ آخری مصرعہ میں حضرت ممدوح نے

(دیکھو سرورق ۲-۳-۴)

یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ مَیں دعائے مستجاب کا نمونہ دکھا سکتا ہوں۔ جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پُہنچ جائیگی۔ کہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کے نیچے ایک حاشیہ دیا ہوا ہے۔ جس میں ناظرین کو صفحہ ۲ و ۳ و ۴ ٹائٹل پیج کا ملاحظہ کرنیکی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جب ہم ان صفحوں کو دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں ایک سرخی "نمونہ دعائے مستجاب" لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور اس کے نیچے لیکھرام پشاوری آریہ سماج کے ایک لیڈر کی موت کی پیشگوئی لکھی ہوئی ہے۔ یہ کتاب سنہ ۹۳ء میں شایع ہوئی تھی۔ اور اسوقت لیکھرام ایک نوجوان صرف ۳۲ سال کی عمر کا تھا۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے وہ خود قادیان میں پُہنچا تھا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ سے آسمانی نشان طلب کیا تھا۔ اُس نے بہت سی چٹھیات لکھی تھیں۔ اور اپنی آخری چٹھی میں اُس نے اپنی موت کے متعلق نشان طلب کیا تھا۔ چنانچہ وہ تحریر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب استفتا میں شایع کردی ہے۔ جس میں اسنے لکھا ہے کہ آسمانی نشان کے لیے اپنے رب العرش

سے دعا مانگو۔ اور وہ نشان میرے متعلق ہو۔ اسپر حضرت ممدوح نے خدا کے حضور میں دعا کی۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے انکی دعا کی قبولیت میں یہ جواب دیا گیا کہ اس تاریخ یعنی ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء سے چھ سال کے اندر تیرا دشمن ہلاک ہو جائیگا۔ اس کے متعلق بہت سی پیشگوئیاں تفصیل کے ساتھ شایع کی گئی تھیں۔ اور برکات الدعا میں بھی پیشگوئی کے الفاظ اور اس کی تفہیم درج تھی۔ لیکھرام کی موت کے متعلق مختلف کتابوں میں جو خبریں پیش از وقت شایع کی گئیں۔ وہ اُسی وقت سے نہ صرف دوستوں ہی کے قبضہ میں پہنچ گئیں۔ بلکہ دشمنوں کے ہاتھوں میں بھی پہنچائی گئیں۔ جو اُس وقت سے ہی ان کے قبضہ میں موجود ہیں۔ اس طرح اسکی قبل از وقت اشاعت میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ چار سال تک بڑی اشاعت پا جانیکے بعد ٦۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو یہ پیشگوئی بڑی آب و تاب سے پوری ہوئی اور لیکھرام پیشگوئی کی تمام تفصیلات کے مطابق مارا گیا۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے دعا کی قبولیت کا ثبوت بہت واضح طور پر بہم پہنچتا ہے۔ یہ پیشگوئی ایسی صفائی کے ساتھ پوری ہوئی کہ بیشمار اہل ہنود اور غیر متعلق مسلمان جن کے سامنے یہ واقعہ پیش ہوا۔ بہت صفائی کے ساتھ شہادت دے اُٹھے۔ کہ یہ پیشگوئی ان تمام تفصیلوں کے مطابق کہ جو سالہا سال پہلے سے شایع ہو چکی تھیں پوری ہوئی۔ کوئی معقول انسان جو ان تمام واقعات کو نظر غور سے دیکھتا ہے۔ اس پیشگوئی کی صداقت اور دعا کی قبولیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ چونکہ بہت ساری واقعات ثابت شدہ میں سے صرف ایک واقعہ کا بیان کر دینا اثبات دعویٰ کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اس لیے ہم حضرت مسیح موعودؑ کی قبولیت دعا کے بیشمار ثابت شدہ واقعات میں سے صرف ایک ہی واقعہ کے لکھنے پر کفایت کرتے ہیں۔ اگر ضرورت ہوئی تو ہم بہت ساری اسی قسم کے امور پیش کر دیں گے جن کی واقعیت آفتاب نصف النہار کی طرح عیاں اور ثابت ہے۔ اسجگہ ہم نے ایک ایسی اصول کا ثبوت پیش کر دیا ہے جو ہر ایک سمجھدار انسان کیلیے اطمینان کا موجب ہو سکتا ہے لیکن اگر ایسا ثبوت کسی اصول مذہب کی حقیقت کا موجود نہ ہو۔ تو اُس صورت میں معترض پر الزام نہیں۔ بلکہ ایسی مذہب پر الزام ہے جو ایسی مسائل کو لوگوں کے اندر جبراً ڈالنا چاہتا ہے۔ جن کی حقیقت کا ذرا بھی ثبوت موجود نہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے اصول ہیں جن کو عدم ثبوت حقیقت کی وجہ سے رد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک نیا مذہب خدا کی ہستی کی تسلیم سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن جس بات کا کوئی ثبوت نہ دیا جائے۔ وہ صرف ایک خیالی بات ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں اور اسی طرح دوسرے مذہبی اصول کے ثبوت میں حضرت مسیح موعودؑ ایسے ثبوت پیش کرتے ہیں جن کو ماننے بغیر کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اس مضمون کو زیادہ لمبا کرنا نہیں چاہتے۔ سمجھنے والوں کیلیے ایک اشارہ بھی کافی ہو سکتا ہے۔ البتہ بیچینی کا بادل جو تمام مذہبی دنیا پر چھایا ہوا نظر آرہا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان مذہبوں میں اپنے دعاوی اور اصول کی حقیقت کا ثبوت موجود نہیں۔ اور وہ چیز جو ایمان اور اطمینان کو واپس لا سکتی ہے۔ وہ خدا کی ہستی اور جزا و سزا اور قبولیت دعا وغیرہ جیسے مذہبی اصول کا قطعی اور یقینی ثبوت ہی ہے۔ اب دنیا میں وہی مذہب کامیاب ہوگا جو بنی نوع انسان کے آگے اپنے حقایق و معارف کا ثبوت بدیہی طور پر رکھ دے گا۔ اور وہ تمام ادیان جن کی محض بے دلیل دعووں پر ہی بنا ہے برساتی کیڑوں کی طرح سو جائیں گے۔

(اسمٰعیل

اپنی تمام جماعت کے لیے ضروری نصیحت

چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان دنوں میں بعض جاہل اور شریر لوگ اکثر ہندوؤں میں سے اور کچھ مسلمانوں میں سے گورنمنٹ کے مقابل پر ایسی الٹی حرکتیں ظاہر کرتے ہیں جن سے بغاوت کی بو آتی ہے بلکہ مجھے شک ہوتا ہے کہ کسی وقت باغیانہ رنگ انکی طبایع میں پیدا ہو جائیگا اسلیے میں اپنی جماعت کے لوگوں کو جو مختلف مقامات پنجاب اور ہندوستان میں موجود ہیں جو بفضلہ تعالیٰ کئی لاکھ تک انکا شمار پہنچ گیا ہے نہایت تاکید سے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ میری اس تعلیم کو خوب یاد رکھیں جو قریباً چھبیس ۲۶ برس سے تقریری اور تحریری طور پر انکے ذہن نشین کرتا آیا ہوں یعنی یہ کہ اس گورنمنٹ انگریزی کی پوری اطاعت کریں کیونکہ وہ ہماری محسن گورنمنٹ ہے انکی ظلِ حمایت میں ہمارا فرقہ احمدیہ چند سال میں لاکھوں تک پہنچ گیا ہے اور اس گورنمنٹ کا احسان ہے کہ اسکے زیر سایہ ہم ظالموں کے پنجہ سے محفوظ ہیں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے کہ اس نے اس گورنمنٹ کو اس بات کے لیے چن لیا تاکہ یہ فرقہ احمدیہ اس کے زیر سایہ ہو کر ظالموں کے خونخوار حملوں سے اپنے تئیں بچاوے اور ترقی کرے کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ تم سلطان روم کی عملداری میں رہ کر یا مکّہ اور مدینہ ہی میں اپنا گھر بنا کر شریر لوگوں کے حملوں سے بچ سکتے ہو نہیں ہرگز نہیں بلکہ ایک ہفتہ میں ہی تم تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کیے جاؤ گے تم سن چکے ہو۔ کہ کس طرح صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف جو ریاست کابل کے ایک معزز اور بزرگوار اور نامور رئیس تھے جن کے مرید پچاس ہزار کے قریب تھے وہ جب میری جماعت میں داخل ہوئے تو محض اسی قصور سے کہ میری تعلیم کے موافق جہاد کے مخالف ہو گئے تھے امیر حبیب اللہ خاں نے نہایت بیرحمی سے انکو سنگسار کرا دیا پس کیا تمہیں کچھ توقع ہے کہ تمہیں اسلامی سلاطین کے ماتحت کوئی خوشحالی میسر آئیگی بلکہ تم تمام اسلامی مخالف علماء کے فتووں کی رو سے واجب القتل ٹھہر چکے ہو سو خدا تعالیٰ کا یہ فضل اور احسان ہے۔ کہ اس گورنمنٹ نے ایسا ہی تمہیں اپنے سایہ پناہ کے نیچے لے لیا جیساکہ نجاشی بادشاہ نے جو کہ عیسائی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو پناہ دی تھی۔ میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا جیساکہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں نہ اس سے کوئی صِلہ چاہتا ہوں بلکہ میں انصاف اور ایمان کے رو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کی شکر گذاری کروں اور اپنی جماعت کو اطاعت کے لیے نصیحت کرتا ہوں۔ سو یاد رکھو! اور خوب یاد رکھو! کہ ایسا شخص میری جماعت میں داخل نہیں رہ سکتا جو اس گورنمنٹ کے مقابلہ پر کوئی باغیانہ خیال دل میں رکھے اور میرے نزدیک یہ سخت بدذاتی ہے کہ جس گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہم ظالموں کے پنجے سے بچائے جاتے ہیں اور اسکے زیر سایہ ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے اس کے احسان کے ہم شکر گذار نہ ہوں؟ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان یعنی احسان کا بدلہ احسان ہے اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرتا یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ کے سایہ سے باہر نکل جاؤ۔ تو تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے ایسی سلطنت کا بھلا نام تو لو۔ جو تمہیں اپنی پناہ میں لے لیگی۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کرنیکے لیے دانت پیس رہی ہے کیونکہ انکی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو سو تم اس خداداد نعمت کی قدر کرو اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنت انگریزی تمہاری بھلائی کیلیے ہی اس ملک میں

قایم کی ہی اور اگر اس سلطنت پر کوئی آفت آئی تو وہ آفت تمہیں بھی نابود کریگی۔ یہ مسلمان لوگ جو اس فرقہ احمدیہ کے مخالف ہیں تم انکے علماء کے فتوے سُن چکے ہو یعنی یہ کہ تم انکے نزدیک واجب القتل ہو اور انکی آنکھ میں ایک کُتّا بھی رحم کے لایق ہی مگر تم نہیں ہو۔ تمام پنجاب اور ہندوستان کے فتوے بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے فتوے تمہاری نسبت یہ ہیں کہ تم واجب القتل ہو اور تمہیں قتل کرنا اور تمہارا مال لوٹ لینا اور تمہاری بیویوں پر جبر کر کے اپنے نکاح میں لے آنا اور تمہاری میت کی توہین کرنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دینا نہ صرف جائز بلکہ بڑا ثواب کا کام ہی۔ سو یہی انگریز ہیں جنکو لوگ کافر کہتے ہیں جو تمہیں ان خونخوار دشمنوں سے بچاتے ہیں اور انکی تلوار کے خوف سے تم قتل کیے جانیسے بچے ہوئے ہو۔ ذرا کسی اور سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیا سلوک کیا جاتا ہی۔ سو انگریزی سلطنت تمہارے لیے ایک رحمت ہے تمہارے لیے ایک برکت ہے اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے۔ پس تم دل و جان سے اس سپر کی قدر کرو اور تمہارے مخالف جو مسلمان ہیں ہزار ہا درجہ انسے انگریز بہتر ہیں کیونکہ وہ تمہیں واجب القتل نہیں سمجھتے۔ وہ تمہیں بے عزت کرنا نہیں چاہتے کچھ بہت دن نہیں گذرے کہ ایک پادری نے کپتان ڈگلس کی عدالت میں میری پر اقدام قتل کا مقدمہ کیا تھا اس دانشمند اور منصف مزاج ڈپٹی کمشنر نے معلوم کر لیا کہ وہ مقدمہ سراسر جھوٹا اور بناوٹی ہی اس لیے مجھے عزت کے ساتھ بری کیا بلکہ مجھے اجازت دی کہ اگر چاہو تو جھوٹا مقدمہ بنانے والوں پر سزا دلوانیکے لیے نالش کرو سو اس نمونہ سے ظاہر ہے کہ انگریز کس انصاف اور عدل کے ساتھ ہم سے پیش آتے ہیں۔ اور یاد رکھو کہ اسلام میں جو جہاد کا مسئلہ ہی میری نگاہ میں اس سے بدتر اسلام کو بدنام کرنیوالا اور کوئی مسئلہ نہیں ہی جس دین کی تعلیم عمدہ ہی جس دین کی سچائی ظاہر کرنیکے لیے خدا نے معجزات دکھلائے اور دکھلا رہا ہے ایسے دین کو جہاد کی کیا ضرورت ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ظالم لوگ اسلام پر تلوار کے ساتھ حملہ کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام کو تلوار کے ذریعہ سے نابود کر دیں سو جنہوں نے تلواریں اُٹھائیں وہ تلوار سے ہی ہلاک کیے گئے سو وہ جنگ صرف دفاعی جنگ تھے۔ اب خواہ نخواہ ایسے اعتقاد پھیلانا کہ کوئی مہدی خونی آئیگا اور عیسائی بادشاہوں کو گرفتار کریگا یہ محض بناوٹی مسائل ہیں جنسے ہمارے مخالف مسلمانوں کے دل سیاہ اور سخت ہو گئے ہیں اور جن کے ایسے عقیدے کسی زمانہ میں جاہلوں کیلیے بغاوت کا ذریعہ ہو سکتی ہیں بلکہ ضرور ہونگی۔ سو ہماری کوشش ہے کہ مسلمان ایسی عقیدوں سے رہائی پاویں۔ یاد رکھو کہ وہ دین خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا جس میں انسانی ہمدردی نہیں خدا نے ہمیں یہ سکھایا ہی کہ زمین پر رحم کرو تا آسمان سے تم پر رحم کیا جائے۔ والسلام

خاکسار مرزا غلام احمدؐ مسیح موعودؑ۔ عافاہ اللہ واید۔ ۷۔ مئی ١٩٠٠ء

پادری صاحبان کی تہذیب

افسوس ہی کہ اب تک پادری صاحبان مذہبی مباحثات میں اُنہی کمینہ ہتھیاروں یعنی دریدہ دہنی اور گندہ زبانی سے کام لیتے

ہیں جن میں ان کے بزرگوں نے ہندوستان میں آکر کمال حاصل کیا تھا۔ کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ رسالہ تجلی کے متعلق ذکر کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا کہ یہ لوگ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم تحقیق سے کام لیتے ہیں اور مباحثات میں نرمی کا طریق اختیار کرتے ہیں مگر جب انکو مخالف کے مقابل کلام کرنی پڑتی ہے تو گندہ کلامی میں اپنی نظیر آپ ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابتک ایڈیٹر صاحب تجلی نہایت خوشی سے اکبر مسیح کی گندہ تحریروں کو اپنے رسالہ میں درج کرتے اور ان پر فخر کرتے ہیں اگرچہ ساتھ ساتھ مانتے بھی چلے جاتے ہیں کہ اسکی تحریریں سخت ہیں۔ اکبر مسیح نے جو لکھنے کا طرز اختیار کیا ہے کوئی بھلا مانس آدمی اُسے اختیار نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی شریف انسان ایسی تحریروں کے شایع کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ بات بات پر ہنسی اور ٹھٹھا کرتا ہے اور بیباک نوآریہ دھرم پال کی طرح ظرافت سے لوگوں کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ اس شخص کی غرض تحریر سے احقاق حق نہیں بلکہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ اسکے مخالف پر ہنسی اُڑائیں۔ ان باتوں سے وہ خدا کے قایم کردہ سلسلہ کو نیست و نابود نہیں کر سکتا۔ بہتیرے جھک مار کر خود کیڑوں مکوڑوں کی طرح دُور ہو گئے اور جو کچھ آج اکبر مسیح کرنا چاہتا ہے وہ اس سے پہلے جعفر زٹلی بھی کر چکا ہے۔ اسکی تحریروں سے اگر کچھ ظاہر ہوتا ہے تو صرف اسکی اپنی کمینہ خصلتوں کا اظہار۔ یہ لفظ بعض صاحبان کو سخت معلوم ہونگے۔ مگر اس شخص کی تحریر کا ایک ایک فقرہ ایسی شرارت اور گند سے بھرا ہوا ہے کہ مَیں ان الفاظ کے لکھنے پر مجبور ہوں۔ بات بات میں حضرت مسیح موعود کو کذاب دجال مفتری کہنا تو اسکا معمولی شیوہ ہی۔ بلکہ نام کی بجائے بھی کذاب اور دجال کا لفظ استعمال کرتا ہے مگر ان الفاظ پر بھی کفایت نہ کر کے وہ ایک اوباشانہ طریق دریدہ دہنی کا اختیار کرتا ہے۔ فروری و مارچ کے پرچہ تجلی میں وہ ابتدائی مضمون میں ہی لکھتا ہے۔ ’’اسی طرح بعض لمبی ڈاڑھی والے فریبی بدمعاش بھولے بھالے عیسائی اور مسلمان دینداروں کی اس انتظاری سے نفع کمانیکی سوچتے ہیں۔ اور اچھے خاصے بنجاتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھ چکے بیسوں آئے جنہوں نے اپنے آپ کو مہدی آخرالزمان بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کیا‘‘ یہ ایک ہی مثال اس ثبوت کیلیے کافی ہے کہ کیسی بے حیائی کا شیوہ ان لوگوں نے اختیار کیا ہی۔ تجلی کے ایڈیٹر کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر وہ اس طریق کو نہیں چھوڑیگا اور چار لاکھ معزز انسانوں کے ایک پیشوا کو اس طرح بیحیائی سے گالیاں نکالنے سے باز نہیں آئیگا تو آخر قلم اور کاغذ ہمارے پاس بھی موجود ہے۔ اور ہم بھی سختی سے لکھ سکتے ہیں۔ لیکن اسکا کچھ فایدہ نہیں۔ مَیں ابھی اس مضمون کا کوئی جواب نہیں لکھتا صرف ایک بات کا ذکر کرتا ہوں جسپر اکبر مسیح نے بار بار زور دیا ہی اور وہ یہ ہے کہ گویا اس سلسلہ کے جھوٹا ہونیکا یہی ثبوت کافی ہے کہ عیسائی اور مسلمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کذاب اور مفتری کہتے ہیں اور ماننے والے صرف چند لوگ ہیں جن کو کسی جگہ تو وہ ’’قادیان کے چند احمقوں‘‘* کے نام سے

*یہ شخص اپنے غیظ میں اس طرح جلا ہوا ہے کہ قادیان کو دوسرے کمینہ مخالفوں کی طرح کادیان لکھکر جی خوش کرتا ہے۔ افسوس یہی کچھ پادریوں کے ہاتھ میں رہ گیا ہے۔ موتوا بغیظکم۔ باوجود اس ساری دریدہ دہنی اور غیظ و غضب کے اخیر میں نہایت بیحیائی سے یہ بھی کہتا ہو کہ عیسائیونکو حکم ہے۔ ’’اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانیوالوں کیلیے دعا مانگو‘‘ محبت کیا اگر تم لوگوں کے ہاتھ میں کچھ طاقت ہو تو تم ٹکڑے ٹکڑے کرنیکے لیے تیار ہو مگر چونکہ طاقت نہیں اسلیے کمزور آدمی کی طرح گالیاں نکال کر دل خوش کرتے ہو۔ یہی ثبوت محبت کا۔۔

موسوم کرتا ہے۔ اور کسی جگہ ان کے متعلق لکھتا ہے "عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند" اور کسی جگہ انکو جاہل اور ابلہ کہتا ہے۔ اور کسی جگہ "مخبوط الحواس" اور "بھاڑے کے ٹٹو" قرار دیتا ہے۔ مگر اس احمق سے کوئی پوچھے کہ یہ باتیں تو آپکے اس فرضی خدا پر صادق آتی ہیں جس کو یہودیوں نے ذلیل اور رسوا کیا اور اس کی کچھ پیش نہ گئی۔ تین چار لاکھ آدمی کی جماعت کو "خری چند" کہنا تو محض آپ لوگوں کی حماقت اور خباثت کا ثبوت ہے۔ مگر کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ ایک شخص جسکے آگے تم وحشیوں کی طرح گھٹنے ٹیکتے اور اسے خدا خدا کر کے پکارتے ہو گیارہ ماہی گیروں کی شہادت سے عیسیٰ بن گیا تھا۔ اگر کچھ بھی تمہارے اندر خوف خدا یا خوف یسوع ہے تو بتاؤ کہ چار لاکھ معزز انسانوں کی جماعت پر "خرے چند" کا لفظ صادق آتا ہے یا گیارہ ماہی گیروں پر جو مچھلیاں پکڑتے پکڑتے ساتھ ہو لیے تھے؟ افسوس کہ تم میں کچھ بھی ایمان باقی نہیں رہا ورنہ میں تم سے یہ پوچھتا کہ ایمان سے کہو اگر آج ایک شخص اگر یہ کہے کہ میں خدا ہوں اور گیارہ جاہل ناخواندہ ماہی گیر اسکے ساتھ ہو لیں اور اور کوئی اسے مانے نہیں بلکہ جھوٹا مفتری کذاب کہیں۔ اور اسکی طاقت کا یہ حال ہو کہ عدالتوں میں گھسیٹا جائے اس کے منہ پر تھوکا جائے کوڑے لگائے جائیں۔ اور آخر گلے میں پھانسی کا رسہ ڈالا جاوے تو کیا تم ایسے شخص کو ان چند مچھووں کی شہادت پر مان لوگے۔ افسوس کہ تم لوگ گریبان میں منہ ڈالکر کچھ نہیں سوچتے ورنہ تم تو کبھی کسی مسیحیت کے دعویدار کی تکذیب کا نام نہ لیتے۔ ہاں وہ بات ہے ع بیحیا باش ہرچہ خواہی کن۔ اسی بیحیائی اور دلیری سے دوسری جگہ لکھتا ہے کہ "انجام کار حاکم وقت کے روبرو فریقین کا مچلکہ ہو جاوے اور مسیحیت جیسی کی تیسی مشتبہ رہ جاوے" یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ کا مچلکہ بھی لیا گیا تھا۔ اگر تم اس دروغگوئی کا کوئی ثبوت پیش نہ کرسکو تو اپنے پر آپ ہی لعنت کرلو۔ مگر یہ بتاؤ کہ "مسیحیت جیسی کی تیسی" وہاں تو "مشتبہ" نہیں رہ گئی تھی جہاں چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ ایک مسیحیت کے دعویدار کو صلیب پر لٹکانیکا حکم حاکم وقت سے ملا تھا۔ اور اس نے چپکے سے اسے قبول کیا۔ اور اس کے منہ پر تھوکا گیا اور وہ کچھ نہ کرسکا اور کوڑے لگائے گئے اور بدترین سلوک بدترین مجرموں کا سا کیا گیا۔ اور آخر ہاتھوں میں کیل ٹھونکے گئے اور صلیب پہ لٹکایا گیا اور پھر یاد آیا کہ اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اگر کچھ شرم اور حیا باقی ہے تو بتاؤ کہ اسوقت مسیحیت بلکہ بقول تمہارے خدائی جیسی کی تیسی مشتبہ تو نہ رہ گئی تھی۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ جب سپاہیوں نے کہا کہ اگر تو سچا مسیح ہے تو صلیب سے زندہ اتر آ۔ پر کچھ نہ کرسکا۔ بتاؤ یہ سلوک جیسی کی تیسی مسیحیت کو مشتبہ کرنیوالا ہے یا مچلکہ کا لینا جو وہ بھی تمہارا جھوٹ ہے۔ جو تم نے اپنی عادت کے مطابق بنالیا ہے۔ مگر اس بیحیائی کا تم میں ہونا کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ تم شاید روٹیوں کی خاطر عیسائی ہوئے ہوگے۔ اور شاید ڈیوٹی کی خاطر اب جو کچھ لکھ رہے ہو لکھ رہے ہو۔ ایک شخص جو چند روپیوں کی خاطر دین کو فروخت کر دے وہ جو کچھ بھی کرے قابل معافی ہے۔ ہاں جب صاحب تحقیق ہونیکا دعویٰ کرے تو اسکی اصلیت دکھلانی پڑتی ہے۔ اور تم جو بار بار اس بات کا ذکر کر کے خوش ہوتے ہو کہ سب لوگ حضرت مسیح موعود کو کذاب اور مفتری کہتے ہیں بتاؤ تو سہی کہ تمہارے فرضی خداوند کو سب لوگ کیا کہتے تھے۔ بلکہ کذاب مفتری کے علاوہ ساتھ

شرابی اور کھاؤ پیو اور بدکاروں کا یار ہونیکا بھی خطاب دیتے تھے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کا سؤواں حصہ بھی اس سے ساتھ نہ ہوئے تھے۔ تمہارے لیے تو بہتر تھا کہ ایسے گندے عقیدے ایسی لغو شہادت پر رکھتے ہوئے کبھی دوسروں کے عقیدہ پر اعتراض کا نام نہ لیتے۔ ہاں یہ وہ بات ہے۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ غیر مسلم قوموں میں سے حضرت مسیح موعودؑ پر تھوڑے لوگ ایمان لائے ہیں کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ غیر یہودی اقوام میں سے آپ کے فرضی خدا پر اسکی زندگی میں کتنے ایمان لائے تھے۔ اور یہاں تو بفضل خدا غیر مسلم اقوام عیسائیوں سکھوں ہندوؤں میں سے اس سے زیادہ تعداد ہے جتنی آپ کے فرضی خدا کے بھگوڑے حواریوں کی تھی۔ تم یہودیوں میں سے ہی اپنے فرضی خدا کے اتنے پیرو دکھا دو جو اس فرضی خدا کو حوالات میں دینے کے وقت بھاگ نہ گئے ہوں اور ایمان پر ثابت قدم رہے ہوں اور انکار نہ کر دیا ہو۔ سب سے بڑا بہشت کی کنجیوں کا مالک تو پطرس تھا وہ بھی لعنت کر چکا۔ شاید وہی لعنت اب تم پر پڑی ہے جو اسقدر بیحیائی سے جھوٹ بولتے ہو۔ اگر تم کسیقدر حیا سے کام لیکر بھلے مانسوں کی طرز تحریر اختیار کرو تو ہم تمہاری سب باتوں کا جواب دینے کے لیے تیار ہیں۔ اور ایڈیٹر صاحب تجلی کو یہ بھی واضح ہو کہ یہ جو انہوں نے لکھا ہے کہ "ہمارے دوست پر مرزا صاحب یا ان کے خیالات کا ذکر کرتے ہوئے کچھ ایسا مرزائی پرتو پڑ جاتا ہے کہ انکی طرز تحریر انہیں کے طریق پر ڈھل جاتی ہے" یہ محض ایک ڈھکوسلا ہے جو انہوں نے ایک گندی تحریر کے شایع کرنے اور اپنے غیظ و غضب کے اظہار کیلیے نکالا ہے۔ کیوں یہ نہ کہو کہ یہ حضرت عیسیٰ کی پرتو ہے بلکہ اگر حضرت مرزا صاحب کی تحریروں میں آپکو کوئی سختی معلوم ہو تو اسے بھی اسی بات کا نتیجہ سمجھو کہ آخر وہ مثیل مسیح ہیں پس اس پہلے مسیح کی سختی کا بھی کچھ اثر مماثلت میں ظاہر ہونا چاہیئے۔ وہ بڑے بڑے فقیہوں اور فریسیوں کو سانپوں کے بچے اور گدھے اور حرامکار وغیرہ الفاظ سے پکارا کرتے تھے۔ پہلے ابن مریم کے کلام سے سختی کے الزام کو دور کر لو۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ کی سختی پر اعتراض کرو۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو حق طلبی کی خواہش ہو تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ نے کہیں کچھ سختی بھی کی ہے تو اسکی ابتدا انکی طرف سے نہیں ہوئی۔ بلکہ مدت تک مخالفین سے سخت گالیاں سننے کے بعد آخر کچھ ایسے الفاظ لکھے ہیں جو واقعی ان لوگوں پر جنکے متعلق لکھے گئے ہیں صادق آتے ہیں۔ پس یہ سختی قابل اعتراض نہیں۔ بلکہ خاص مصالح کے لحاظ سے جواب میں بعض سخت لفظ استعمال کیے گئے ہیں اور ایسی سختی سے کسی نبی کا کلام خالی نہیں۔

پنجاب میں طاعون

ہندوستان میں عموماً اس سال طاعون کی ترقی حیرت انگیز تھی ہی مگر خاصکر پنجاب میں اسکی تباہی ایسی ہو رہی ہے کہ

جس کی نظیر پہلے نہیں ملتی۔ فروری کے مہینہ میں کل ہندوستان میں طاعونی اموات کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی۔ اور یہ بھی درحقیقت بڑی تباہی تھی مگر اس ہلاکت کو دیکھکر جو اسوقت پنجاب میں ہو رہی ہے یہ تعداد گویا کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اسوقت فی ہفتہ پچاس ہزار سے زیادہ اموات طاعون کی صرف پنجاب میں ہو رہی ہیں۔ یا پندرہ دنوں میں ایک لاکھ آدمی اسکا شکار ہو جاتا ہے۔ مفصلہ ذیل نقشہ سے پنجاب کی طاعونی اموات کا مقابلہ کُل ہندوستان کی طاعونی اموات سے ظاہر ہوتا ہے

	پنجاب میں طاعونی اموات	کُل ہندوستان میں طاعونی اموات
ہفتہ مختتمہ ۹ - مارچ	۱۴۸۵۴	۴۱۶۶۷
” ۱۶ - مارچ	۱۹۵۶۵	۴۹۴۴۰
” ۲۳ - مارچ	۲۳۴۸۸	۵۴۰۰۳
” ۳۰ - مارچ	۲۷۹۰۰	۵۳۶۸۱
” ۶ - اپریل	۳۴۶۵۱	۶۲۸۸۶
” ۱۳ - اپریل	۳۹۰۸۴	۷۵۴۷۲
” ۲۰ - اپریل	۴۷۰۰۰	۷۶۰۰۰
” ۲۷ - اپریل	۵۴۲۰۴	۷۶۷۱۱

ان اعداد کو جمع کرنیسے معلوم ہوگا کہ آٹھ ہفتوں میں یعنی ۳ - مارچ سے شروع ہو کر ۲۷ - اپریل تک ۴۸۹۸۶۰ اموات طاعون سے ساری ہندوستان میں ہوئیں جن میں سے نصف سے زیادہ یعنی ۲۶۰۹۴۶ صرف پنجاب میں ہوئیں۔ حالانکہ پنجاب بلحاظ مردم شماری کے ہندوستان کا گیارھواں حصہ ہے مگر طاعون کی ہلاکت نصف سے زیادہ پنجاب میں ہو رہی ہے۔ موجودہ رفتار اور بھی اس شدت کی خطرناک حالت کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ اپریل کے آخری ہفتہ میں ۷۶۷۱۱ ہفتہ وار اموات میں سے جو طاعون سے واقع ہوئی ہیں ۵۴۲۰۴ صرف پنجاب میں ہیں اور باقی ۲۲۵۰۷ کُل ہندوستان میں یعنی دو تہائی سے زیادہ صرف پنجاب میں موتیں ہو رہی ہیں۔ ان اعداد کو الگ رکھکر اگر پنجاب کے اکثر شہروں اور دیہات کی حالت کو دیکھا جاوے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں تباہ ہو گئے۔ بعض مقامات بالکل اُجڑ گئے۔ اس دفعہ لاہور اور دہلی میں بھی طاعون کا خطرناک زور رہا۔ چنانچہ لاہور میں تمام کالج اور سکول وغیرہ ایک مہینہ سے بند ہیں۔ اور اکثر لوگ بھاگ گئے باقی جو ہیں وہ سراسیمہ ہیں بہت سے دیگر مقامات میں یہی حال ہو رہا ہے۔ لیکن اتنی ہلاکت اور تباہی جو قیامت کا نمونہ ہو رہی ہے بالکل جائے تعجب نہیں رہتی جب لوگوں کی قساوت قلبی کو دیکھا جاتا ہے جونہی طاعون کا دورہ ذرا کم ہوتا ہے پھر وہی فسق و فجور بلکہ عین طاعون کے دنوں میں بھی فسق و فجور کیحالت ویسی ہی رہتی ہے اور دلوں میں خوفِ خدا کا کچھ اثر نہیں پایا جاتا۔ اگر یہ قساوت قلبی کم ہو گئی ہوتی تو یقیناً اب تک طاعون کی تباہی بھی کم ہو جاتی۔ مگر ایک خدا کا برگزیدہ پنجاب میں طاعون آنیسے پہلے یہ شایع

کرچکا تھا کہ اِنّ اللہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم۔ یعنی جبتک لوگ اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرینگے تب تک خدا بھی اس عذاب کو دُور نہیں کریگا آج سے نو سال پہلے پنجاب کی اس خطرناک حالت کا نقشہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے ایک اشتہار مجریہ ۶۔ فروری ۱۸۹۸ء میں کھینچا تھا چنانچہ ایک حصّہ اس اشتہار کا بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

"اور ایک ضروری امر ہے جس کے لکھنے پر میرے جوش ہمدردی نے مجھے آمادہ کیا ہے۔ اور مَیں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگ روحانیت سے بے بہرہ ہیں اسکو ہنسی اور ٹھٹھے سے دیکھیں گے۔ مگر میرا فرض ہے کہ مَیں اسکو نوع انسان کی ہمدردی کیلیے ظاہر کروں اور وہ یہ ہے کہ آج جو ۶۔ فروری ۱۸۹۸ء روز یکشنبہ ہے مَیں نے خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں۔ مَیں نے بعض لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ "یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے"۔ میرے پر یہ امر مشتبہ رہا کہ اُسنے یہ کہا کہ آیندہ جاڑے میں یہ مرض بہت پھیلیگا یا یہ کہا کہ اُس کے بعد کے جاڑے میں پھیلیگا۔ لیکن نہایت خوفناک نمونہ تھا جو مَیں نے دیکھا۔ اور مجھے اس سے پہلے طاعون کے بارے میں الہام بھی ہوا اور وہ یہ ہے اِنّ اللہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم۔ انّہ اوی القریۃ۔ یعنی جبتک دلونکی وبا معصیت دُور نہ ہو تب تک ظاہری وبا بھی دُور نہیں ہوگی۔ اور درحقیقت دیکھا جاتا ہے کہ ملک میں بدکاری کثرت سے پھیل گئی ہے اور خدا تعالیٰ کی محبت ٹھنڈی ہوکر ہوا و ہوس کا ایک طوفان برپا ہو رہا ہے۔ اکثر دلوں سے اللہ جلّ شانہ کا خوف اُٹھ گیا ہے اور وباؤں کو ایک معمولی تکلیف سمجھا گیا ہے جو انسانی تدبیروں سے دُور ہو سکتی ہے۔ ہر ایک قسم کے گناہ بڑی دلیری سے ہو رہے ہیں...... نیک چلنی اور نیک بختی اختیار کر کے اس بلا کے دُور کرنیکے لیے خدا تعالیٰ سے دعائیں کریں تا یہ بلا رُک جائے یا اُس حد تک نہ پہنچے کہ اس ملک کو فنا کر دیوے۔ یاد رکھو کہ سخت خطرہ کے دن ہیں اور بلا دروازے پر ہے۔ نیکی اختیار کرو اور نیک کام بجا لاؤ۔ خدا تعالیٰ بہت حلیم ہے لیکن اُسکا غضب بھی کھا جانیوالی آگ ہے اور نیک کو خدا تعالیٰ ضایع نہیں کرتا۔ ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم ∴ بترسید از خدائے بے نیاز و سخت قہارے ∴ نمی پندارم کہ بد بیند خدا ترسے نکوکارے ∴ مرا باور نمی آید کہ رُسوا گردد آں مردے ∴ کہ می ترسد ازاں یارے کہ غفارست و ستارے ∴ گراں چیزے کہ می بینم عزیزاں نیز دیدندے ∴ ز دنیا توبہ کردندے بچشم زار و خونبارے ∴ خور تاباں سیہ گشت است از بدکاری مردم ∴ زمیں طاعوں ہمی آرد پئے تخویف و انذارے ∴ بہ تشویش قیامت ماند ایں تشویش گر بینی ∴ علاجے نیست بہر دفع آں جز حُسن کردارے ∴ نشاید تافتن سر زاں جنابِ عزّت و غیرت ∴ کہ گر خواہد کشد در یکدمے چوں کرم بیکارے ∴ من از ہمدردی ات گفتم تو خود ہم فکر کن بارے ∴ خرد از بہر ایں روز ست اے دانا و ہشیارے ∴

(۲) زبردست نشانوں کے ساتھ ترقی ہوگی۔ (۳) انزلنا لا علی رقیمۃٍ من موسٰی۔ (۴) انی مھین من اراد اھانتک۔ (۵) سنسمہ علی الخرطوم۔ (۶) رب انی مغلوب فانتصر۔ (۷) سأُریکم اٰیاتی فلا تستعجلون۔ ترجمہ۔ یا تو ہم بعض وہ اپنی پیشگوئیاں جو وعید کے طور پر کفار کے حق میں ہیں تجھکو دکھلا دیں گے اور یا تجھ کو وفات دیدینگے۔ زبردست نشانوں کے ساتھ ترقی ہوگی۔ ہم نے اس ارادہ کو موسٰی کی تحریر پر اُتارا ہے یعنی موسٰی نے ایسا ہی ارادہ بذریعہ تحریر ظاہر کیا سو ہم نے اس سے اتفاق رائے کیا میں اس شخص کی اہانت کرونگا جو تیری اہانت کرتا ہے اسکی ناک پر یا مُنہ پر ہم آگ کا داغ لگائیں گے۔ اے میری خدا میں مغلوب ہوں تُو انتقام لے۔ میں تمہیں اپنے معجزات دکھلاؤں گا مجھ سے جلدی مت کرو۔

۱۲ مئی ۱۹۰۷ء۔ ایک شخص مجھے کشفی طور پر دکھلایا گیا۔ مگر میں اسکی شکل بھول گیا۔ صرف یہ یاد رہا کہ وہ ایک سخت دشمن ہے کہ اپنی تقریر اور تحریر میں گالیاں دیتا ہے۔ اور سخت بدزبانی کرتا ہے۔ بعد اس کے الہام ہوا۔ بدی کا بدلا بدی ہے اسکو پلیگ ہو گئی (یعنی ہو جائیگی) پس میں یقین کرتا ہوں کہ جلد یا کچھ دیر سے تم سنو گے۔ کہ کوئی ایسا سخت دشمن پلیگ کا شکار ہو جائیگا۔ اگر ایسا کوئی دشمن جسپر تمہارے دل بول اُٹھیں کہ یہ الہام کا مصداق ہو سکتا ہے طاعون میں مبتلا نہ ہوا تو تمہارا حق ہے کہ تکذیب کرو۔ بعد اس کے مجھے دکھلایا گیا۔ کہ ملک میں بہت غفلت اور گناہ اور شوخی پھیل گئی ہے اور لوگ تکذیب سے باز آنیوالے نہیں جبتک خدا اپنا قوی ہاتھ نہ دکھائے بعد اس کے الہام ہوا۔ اس کا نتیجہ سخت طاعون ہے جو ملک میں پھیلے گی کئی نشان ظاہر ہوں گے۔ کئی بھاری دشمنوں کے گھر ویران ہو جائیں گے وہ دنیا کو چھوڑ جائیں گے۔ ان شہروں کو دیکھکر رونا آئیگا۔ وہ قیامت کے دن ہونگے۔ زبردست نشانوں کے ساتھ ترقی ہوگی۔ ایک ہولناک نشان۔ یعنی انمیں سے ایک ہولناک نشان ہوگا۔ شاید وہی زلزلہ ہو جسکا وعدہ ہے۔ یا آسمان سے کوئی اور نشان ظاہر ہو۔ یا طاعون قیامت کا نمونہ دکھلاوے۔ پھر خدا تعالٰی مجھے مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ میری رحمت تجھ کو لگ جائیگی اللہ رحم کریگا۔ ۱عیینالٹ۔ یعنی ہم اسقدر نشان دکھلائیں گے کہ تُو دیکھتے دیکھتے تھک جائیگا۔ اور پھر ۱۳۔ مئی ۱۹۰۷ء روز دوشنبہ کو الہام ہوا۔ سنجیلٹ۔ سنعلیک سنکرملٹ اکراماً عجباً۔ یعنی عنقریب ہم تجھ کو دشمنوں کے شر سے نجات دینگے۔ اور ہم تجھے اُنپر غالب کر دینگے۔ اور ہم تجھے ایک عجیب طور پر بزرگی دیں گے۔

نئی کتابیں

ریویو کے لیے بعض کتابیں بہت دنوں سے آئی ہوئی تھیں مگر بوجہ عدم گنجایش میں اس فرض کے ادا کرنے سے

Digitized by Khilafat Library

قاصر رہا ہوں۔ اب بھی صرف مختصر نوٹ ہر ایک کتاب کے متعلق کرونگا۔ سب سے اوّل قابل تذکرہ لاہور کے مشہور پنجابی شاعر میاں
ہدایت اللہ کی کتاب البرہان الصریح فی تائید المسیح ہے جس میں مصنف نے پنجابی شعروں میں نہایت خوبی سے
حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت آخری زمانہ کے علامات وغیرہ کا ذکر کیا ہے اہل پنجاب ایسی کتابوں سے بہت فایدہ
اُٹھا سکتے ہیں قیمت ۲۔ ر دفتر بدر قادیان سے یا خود مصنف سے کوچہ چابکسواراں لاہور سے مل سکتی ہے۔
دوسری کتاب منشی وجاہت حسین کی تالیف **اختلاف اللسان** ہے جس میں زبان اردو کی یہ خدمت
کی گئی ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کی زبان کے الفاظ اور محاورات کے فرق کو ظاہر کیا گیا ہے اور اسپر بحث کی گئی ہے
شائقین زبان کے لیے ایک مفید کتاب ہے قیمت ۱۰ ر ۸۴ صفحے۔ مصنف سے لاہور قاضی خانہ کے پتہ سے مل سکتی ہے
تیسری کتاب الاسماء الحسنےٰ مؤلفہ شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے اسمار کا ذکر ہے
اور علاوہ ننانوے (۹۹) اسمائے مشہورہ کے بہت سے اور اسمار بھی دیئے گیے ہیں جو قرآن شریف یا حدیث سے مستنبط ہو سکتے
ہیں۔ سلسلہ دینیات میں ایک مفید کتاب ہے سَو سے زیادہ صفحوں کی کتاب ہے قیمت ۵ ر مؤلف سے طلب کرو۔
چوتھی کتاب **مجربات نوردین** ہے اس میں طبیب حاذق حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کے بیاض
کے نسخے اور آپ کے خاص مجربات مفتی فضل الرحمٰن صاحب نے جمع کیے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب کا نام ہی اس
کتاب کی عمدگی کو ظاہر کر رہا ہے۔ ابھی اس کتاب کی جلد اوّل ہی شایع ہوئی ہے جو سوا سو (۱۲۵) صفحہ سے زاید ہے
قیمت ۱۰ ر قادیان سے مفتی فضل الرحمٰن سے یا کارخانہ الحکم سے طلب کرو۔

صدر انجمن احمدیہ کا کُتب خانہ حکیم فضلدین صاحب کے اپنا کُتب خانہ صدر انجمن کے نام ہبہ کر دینے سے وہ تمام کُتب جو
پہلے حکیم فضلدین صاحب سے مل سکتی تھیں اب نائب ناظم صاحب دفتر مقبرہ بہشتی سے ملیں گی۔ کتاب لغات القرآن
ہر دو حصے۔ خزینۃ المعارف دو نئی تصنیف شدہ کتابیں ہیں لغات القرآن ہر دو حصص کی قیمت ۸؍ ہے حصہ اوّل ۶؍
حصہ دویم ۔ ۸؍

Digitized by Khilafat Library

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ

میاں ڈاکٹر عبداللہ صاحب ساکن راہوں۔ ضلع جالندھر جنھوں نے لنڈن۔ اسٹریلیا افریقہ میں
آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ اور ان کے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ
بھی موجود ہیں۔ انگریزی اور یونانی دو طرح سے آنکھیں بناتے ہیں ہماری جماعت کے مخلص
ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو انسے نفع پہنچیگا۔ دستخط (نور دین)

اعلان:۔ ہر ایک سامان کرکٹ ٹینس فٹ بال و جمنیسٹک وغیرہ مستری نظام الدین احمدی شہر سیالکوٹ سے مل سکتا ہے۔ مکمل فہرست مفت۔

مطبع میگزین قادیان دارالامان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔